تنزیلہ ریاض

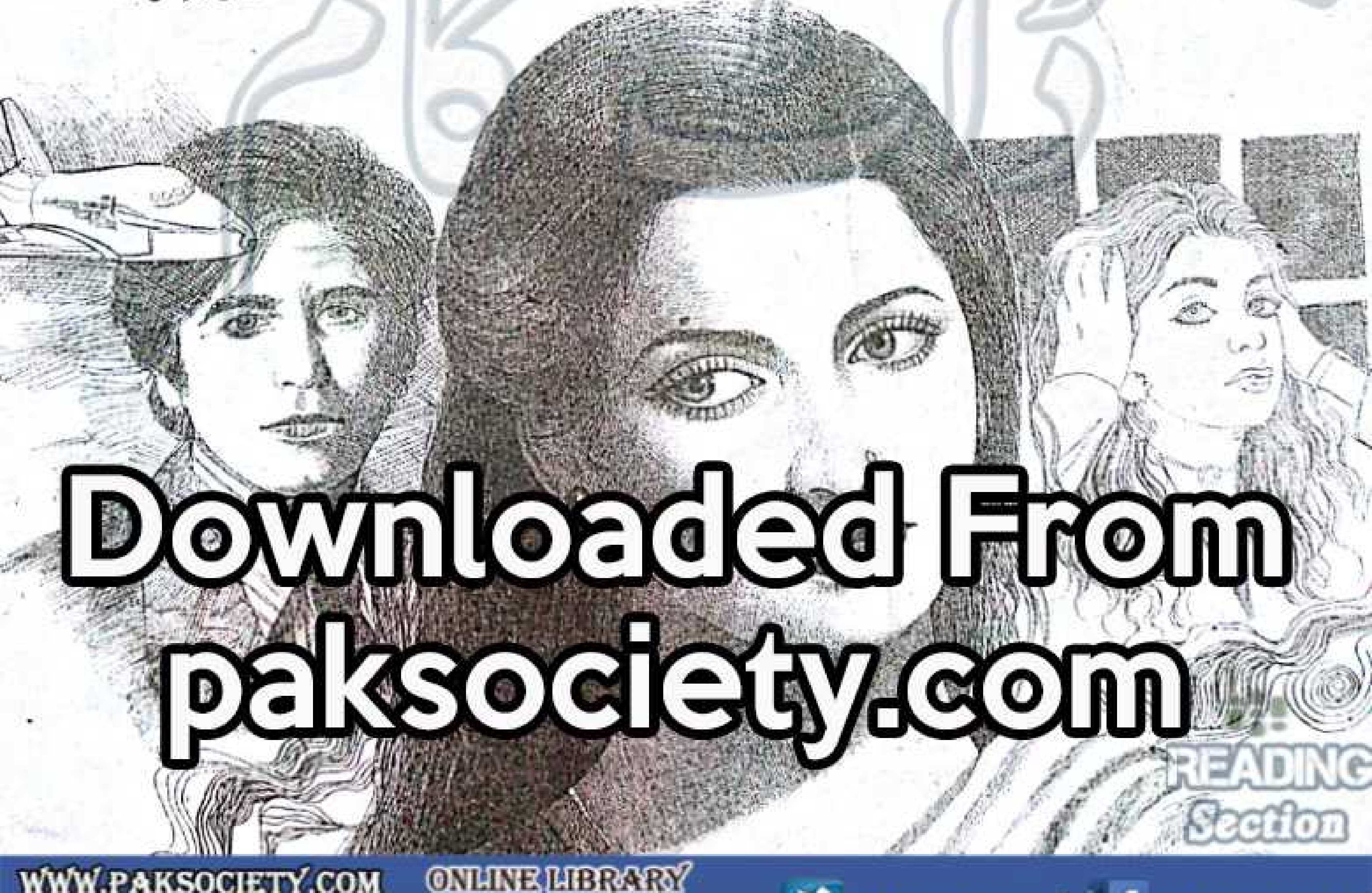
داستان دل

مہر کو کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہے۔ اسکول کے فینسی ڈریس شو میں وہ شہزادی راپنزل کا کردار ادا کر رہی ہے' اس لیے اس نے اپنے پاپا سے خاص طور پر شہزادی راپنزل کی کہانی سنانے کی فرمائش کی۔ کہانی سناتے ہوئے اسے کوئی یاد آجاتا ہے' جسے وہ راپنزل کہا کرتا تھا۔

نینا اپنے باپ سے ناراض رہتی ہے اور ان کو سلام کرنا بھی گوارا نہیں کرتی' وہ ابا سے جتنی نالاں اور متنفر رہتی' لیکن ایک بات حتمی تھی کہ امی سے اسے بہت محبت تھی' لیکن اسے محبت کا مظاہرہ کرنا نہیں آتا تھا۔ اس کی زبان ہمیشہ کڑوی ہی رہتی۔ نینا اپنے خرچے مختلف ٹیوشن پڑھا کر پورے کرتی ہے۔ اس کی بہن زری ٹیلی فون پر کسی لڑکے سے باتیں کرتی ہے۔

سلیم کی محلے میں چھوٹی سی دکان تھی۔ چند سال پہلے میٹرک کا رزلٹ پتا کرکے وہ خوشی خوشی گھر واپس آرہا تھا کہ ایک گاڑی سے اس کا ایکسیڈنٹ ہوجاتا ہے اور وہ ایک ٹانگ سے معذور ہوجاتا ہے۔ ذہنی بیمار ہونے کی وجہ سے اس کی ماں نے مثبت قدم اٹھاتے ہوئے محلے میں ایک چھوٹی سی دکان کھلوا دی' سلیم نے پرائیویٹ انٹر کرکے بی اے کا ارادہ کیا۔ سلیم کی غزل احمد علی کے نام سے ایک ادبی جریدے میں شائع ہوجاتی ہے' جو اس نے نینا کے ہاتھ بھجوائی تھی۔

صوفیہ کا تعلق ایک متوسط گھر سے تھا۔ وہ اپنی بہنوں میں قدرے دبی ہوئی رنگت کی مالک' لیکن سلیقہ شعاری میں سب سے آگے تھی۔ صوفیہ کی شادی جب کاشف نثار سے ہوئی تو پورے خاندان میں اسے خوش قسمتی کی علامتی مثال بنا دیا گیا۔ کاشف نہ صرف چلتے ہوئے کاروبار کا اکلوتا وارث تھا' بلکہ وجاہت کا اعلا شاہکار بھی تھا۔ کاشف خاندان کی ہر لڑکی اور





دوستوں کی بیویوں سے بہت بے تکلف ہو کر ملتا' جو صوفیہ کو بہت ناگوار گزرتا تھا۔ صوفیہ کو خاص کر اس کے دوست مجید کی بیوی حبیبہ بہت بری لگتی تھی۔ جو بہت خوب صورت اور ماڈرن تھی اور اس کی خاص توجہ کاشف کی طرف رہتی۔ حبیبہ کی وجہ سے کاشف اکثر صوفیہ سے کیے ہوئے وعدے بھول جاتا تھا۔ صوفیہ کے شک کرنے پر کاشف کا کہنا تھا کہ یہ اس کا کاروباری تقاضا ہے۔

بی بی جان' صوفیہ کی ساس کو کاشف سے جھگڑا کرنے سے منع کرتی ہیں' لیکن صوفیہ اپنے دل کے ہاتھوں مجبور تھی اور اکثر و بیشتر کاشف سے بحث کرنے لگتی جو کاشف کو ناگوار محسوس ہوتا۔ صوفیہ پریگننٹ ہو جاتی ہے اور بی بی جان کاشف سے صوفیہ کا خیال رکھنے کو کہتی ہیں۔

شہرین نے ضد کر کے اپنے والدین کی مرضی کے خلاف جا کر سمیع سے شادی تو کرلی' لیکن پچھتاوے اس کا پیچھا نہیں چھوڑتے۔ حالانکہ سمیع اسے بہت چاہتا ہے' اس کے باوجود اسے اپنے گھر والے بہت یاد آتے ہیں اور وہ ڈپریشن کا شکار ہو جاتی ہے اور زیادہ تر پلز لے کر اپنے بیڈ روم میں سوئی رہتی ہے۔ سمیع نے اپنی بیٹی ایمن کی دیکھ بھال کے لیے دور کی رشتہ دار اماں رضیہ کو بلالیا جو گھر کا انتظام بھی سنبھالے ہوئے تھیں۔ سمیع اور شہرین دونوں ایمن کی طرف سے لاپروا ہیں اور ایمن اپنے والدین کی غفلت کا شکار ہو کر ملازموں کے ہاتھوں پل رہی ہے۔ اماں رضیہ کے احساس دلانے پر سمیع غصہ ہو جاتا ہے اور ان کو ڈانٹ دیتا ہے۔ شہرین کے بھائی بہن راستے میں ملتے ہیں اور سمیع کی بہت بے عزتی کرتے ہیں۔

سلیم' نینا سے محبت کا اظہار کرتا ہے۔ نینا صاف انکار کر دیتی ہے۔ سلیم کا دل ٹوٹ جاتا ہے' لیکن وہ نینا سے ناراض نہیں ہوتا اور ان کی دوستی اسی طرح قائم رہتی ہے۔ نینا کے ابا بیوی سے سلیم سے نینا کی دوستی پر ناگواری ظاہر کرتے ہیں اور بیوی سے کہتے ہیں کہ اپنی آپا سے نینا اور سلیم کے رشتے کی بات کریں۔

زری کے نمبر پر بار بار کسی کی کال آتی ہے۔ اور زری ماں سے چھپ کر اس سے باتیں کرتی ہے۔

نینا کی اسٹوڈنٹ رانیہ اسے بتاتی ہے کہ ایک لڑکا اسے فیس بک اور واٹس ایپ پر تنگ کر رہا ہے "آئی لو یو راپنزل" لکھ کر۔ نینا' سلیم کو بتا کر رانیہ کا مسئلہ حل کرنے کے لیے کہتی ہے۔

حبیبہ کے شوہر مجید کا روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا سارا پیسہ کاشف کے کاروبار میں انویسٹ کر دیتی ہے۔ اس کے اور کاشف کے تعلقات بہت بڑھ گئے ہیں۔ کاشف صوفیہ سے چھپ کر حبیبہ سے ملنے جاتا ہے اور صوفیہ کی آنکھوں پر اپنی محبت کی ایسی پٹی باندھ دیتا ہے کہ اسے اس کے پار کچھ نظر آنا ہی بند ہو جاتا ہے۔ حبیبہ کاشف پر شادی کے لیے دباؤ ڈالتی ہے۔ کاشف کے گریز اختیار کرنے پر اپنا روپیہ واپس مانگتی ہے اور یوں پہلی دل فریب کہانی اپنے اختتام کو پہنچ جاتی ہے۔ کاشف انکار کر دیتا ہے۔ حبیبہ غصہ میں کاشف کے تھپڑ مار دیتی ہے۔

شہرین اماں رانیہ کے توجہ دلانے پر ایمن کی سالگرہ جوش و خروش سے ارینج کرتی ہے۔ سالگرہ کا تھیم "راپنزل" رکھتی ہے۔ سالگرہ والے دن شہرین کی امی اور بہنوں کے کوسنے' طعنے اور بددعائیں سارے ماحول کو داغ دار کر دیتی ہیں۔ شہرین سر کے درد کی شدت سے بے ہوش ہو جاتی ہے۔

اب آگے پڑھیے

ساتویں قسط

"یا اللہ نوشی باجی کو کچھ نا ہو یا اللہ۔ پلیز انہیں کچھ نا ہو" نمنا نے جائے نماز پر بیٹھے نہ جانے کتنی دیر بار یہی الفاظ دوہراتے ہوئے دعا مانگی تھی۔ زری نے گہری سی سانس والی جماہی لی۔ پریشانی تو جو تھی سو تھی لیکن نمنا کا ردعمل اسے مزید پریشان کر رہا تھا۔ کب سے جائے نماز پر بیٹھی دعائیں کرتی جاتی تھی۔ امی تو خالہ کو دیکھتے ہی ان کے ساتھ اسپتال چلی گئی تھیں۔ ان لوگوں کی باتیں' پھر فون کی گھنٹی اور پھر دروازہ کھٹکھٹائے جانے کی آواز سے

زری خود ہی اٹھ کر بیٹھ گئی تھی اور تب سے وہ نینا کو تسلیاں دیتی ہوئی جیسے تھک سی گئی تھی جبکہ وہ ایک ہی انداز میں دعا مانگتی جاتی تھی۔

"مہو بہت چھوٹی سی ہے یا اللہ۔ ماں کے بغیر کیسے رہے گی اتنی چھوٹی بچی۔ ماں کے بغیر رہنا بہت مشکل ہے یا اللہ۔ تو مہر سے اس کی ماں واپس تا لے یا اللہ۔ مہر کی ماما اسے واپس کردے یا اللہ۔"

"اللہ خیر کرے گا نینا۔ کیوں اتنا برا سوچ رہی ہو۔ کچھ نہیں ہوگا نوشی باجی کو۔ آؤ تم سو جاؤ اب۔ ان شاء اللہ واقعی سب ٹھیک ہوگا۔" زری نے اسے ایک بار پھر نصیحت کی۔ نینا نے چہرے سے ہاتھ ہٹا کر اسے دیکھا۔ زری اس کا چہرہ دیکھ کر دھک سے رہ گئی۔ اس کی آنکھیں بالکل سرخ ہو رہی تھیں اور یہ سرخی اتنی بڑھی ہوئی تھی کہ زری کو اسی کی طبیعت خراب ہو جانے کا خدشہ ستانے لگا تھا۔

"زری۔ میرا دل بہت بے چین ہے۔ مجھے سکون نہیں آرہا۔ مجھے لگتا ہے کچھ ہونے والا ہے۔" وہ بالکل چھوٹی بچی کی طرح بے چین لہجے میں بولی تھی۔ نوشی باجی سے اس کی محبت کسی سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ خالہ کی سب سے بڑی بیٹی اور سلیم لوگوں کی بہن تھی۔ نینا جب خالہ کے گھر رہتی تھی تو نوشی باجی اور اس کی محبت مثالی تھی۔ نوشی باجی کسی بڑی بہن کی طرح اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتی تھیں اور نینا بھی ہمہ وقت ان کا سایہ بنی رہتی تھی۔ اسکول جانا ہوتا تھا تو تیار بھی ان سے ہوتی تھی' کھانا ہوتا تھا تو بھی ان کے ہاتھ سے ہی کھاتی تھی۔ ان کی شادی کے بعد بھی نینا شروع میں کافی اپ سیٹ رہتی تھی اور خالہ کے گھر کے بعد اگر نینا کہیں جانے کے لیے آسانی سے رضامند ہو جاتی تھی تو وہ نوشی باجی کا ہی گھر تھا۔

ان کی شادی کو سات سال ہو چکے تھے لیکن ان کے سسرال والے ان کے حق میں زیادہ اچھے نہیں تھے۔ ان کے شوہر بھی ملازمت کی غرض سے سعودیہ رہتے تھے۔ ان کی ایک ہی بیٹی تھی اور اب تقریباً" پانچ سال بعد ان کے یہاں پھر سے پھول کھلنے والا تھا۔ ابتدا سے ہی ان کو کچھ پیچیدگیاں رہی تھیں' جس کا نینا اور زری کو تو کچھ نہیں پتا تھا لیکن خالہ اور امی جب اشاروں میں بات کرتی تھیں تو ان کے کانوں میں بھی کچھ نا کچھ پڑتا رہتا تھا اور اب ان کی ڈلیوری کچھ دن میں ہی متوقع تھی۔ اس لیے اس طرح باتھ روم میں گر جانا یقیناً کسی بڑی پریشانی کا باعث بن سکتا تھا۔ نینا اور زری دونوں ہی تمام تر صورتحال سے تو مکمل طور پر آگاہ نہیں تھیں' لیکن خالہ جس طرح ہوائیاں اڑاتا ہوا چہرہ لے کر آئی تھیں اور امی بھی کافی عجلت اور پریشانی میں تھیں' یہی سوچ کر نینا بے حال ہوئی جا رہی تھی اور زری اسے دیکھ دیکھ کر پریشان تھی۔ زری کو اس کی طرح خالہ کی فیملی سے بے پناہ انسیت تو نہیں تھی لیکن وہ بھی نینا کے رونے سے وہم کا شکار ہونے لگی تھی۔

"تم بہت زیادہ سوچ رہی ہو نینا۔۔۔ پلیز ایسے مت سوچو۔۔۔ دعا کرو۔۔۔ اللہ بہتر کارساز ہے اور پلیز یہ رونا بند کرو۔۔۔ ابا اٹھ جائیں گے تو وہ بھی پریشان ہوں گے۔" وہیں اپنے بیڈ پر بیٹھے اس نے کہا تھا۔ نینا کچھ نہیں بولی' لیکن اس نے پھر سے چہرے پر ہاتھ رکھ لیے تھے اور ہل ہل کر دعائیں کرنے لگی تھی۔

اسی دوران فون کی گھنٹی بجی تھی۔ نینا کرنٹ کھا کر اٹھی تھی اور پھر جیسے جھاگ بن کر بیٹھ گئی۔

"زری تم دیکھو پلیز۔۔۔ یا اللہ رحم یا اللہ رحم۔" وہ اس کی جانب التجائیہ انداز میں دیکھ رہی تھی۔ زری کے اپنے ہاتھ پاؤں پھول سے گئے تھے۔ وہ بستر سے اتر کر باہر فون کی جانب لپکی تھی۔ امی کا موبائل نمبر فون کی سی ایل آئی کی اسکرین پر چمک رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"MRI...؟" سمیع نے پریشانی سے چور لہجے میں ڈاکٹر صاحب کی جانب دیکھا۔
"گھبرائیے مت سمیع صاحب... اللہ پر بھروسا رکھیں۔" ڈاکٹر صاحب نے اسے تسلی دی تھی۔ شہرین انتہائی نگہداشت میں رات بھر رہی تھی اور ابھی بھی اسے ہوش نہیں آیا تھا۔ آن ڈیوٹی ڈاکٹرز کی جانب سے نیورو سرجن کو کال کیا گیا تھا' وہ اتفاق سے سمیع کے ایک دوست کے واقف کار تھے اور سمیع نے خاص طور پر انہیں فون کروایا تھا کہ شہرین کو بہترین سروسز مہیا کی جاسکیں۔ ڈاکٹر صاحب نے کچھ ابتدائی ٹیسٹ کروائے تھے جن کی رپورٹس لے کر سمیع اب ان کے کمرے میں موجود تھا۔ ان کے چہرے پر سوچوں کا جال بکھرا تھا جو سمیع کو کسی انہونی کے خدشے کا احساس دلا رہا تھا۔ مرد ہونے کے باوجود اس کا دل بے حد ڈرا ہوا تھا۔
"ڈاکٹر صاحب سب ٹھیک ہے نا... پہلے بھی اسے سر درد تو ہو جاتا تھا' لیکن ایسے... میرا مطلب یہ بے ہوشی..." مناسب الفاظ نا ملنے پر اس نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا تھا۔
"میں آپ کو مزید پریشان نہیں کرنا چاہتا۔" ڈاکٹر رضی نے اتنا ہی کہا اور پھر خاموش ہو گئے۔ سمیع کو بڑی کوفت سی ہوئی' لیکن وہ بولا کچھ نہیں۔ ڈاکٹر رضی نے اس کا چہرہ دیکھا۔
"یہ ہمارا وہم بھی ہو سکتا ہے' لیکن مستقل بے ہوشی اور پھر بلڈ پریشر کا مسلسل ہائی رہنا کوئی اچھی علامت نہیں ہے۔ ان پر دوا اثر نہیں کر رہی۔ ابھی بھی پوری طرح ہوش میں نہیں ہیں وہ۔" ڈاکٹر رضی پھر چپ ہوئے تھے۔
"یہی تو میں آپ سے پوچھ رہا ہوں کہ مسئلہ کیا ہے۔ کیوں نہیں ہو رہا بلڈ پریشر کنٹرول اور پھر شہرین کو بلڈ پریشر کا تو مسئلہ کبھی رہا ہی نہیں تھا۔ اس کو تو بس ڈپریشن کی وجہ سے سر درد رہتا تھا۔" سمیع ان کے انداز سے مزید بوکھلا سا گیا تھا۔
"آپ نے پہلے سب ضروری ٹیسٹ کروائے ہیں بھی... ان کی رپورٹس ہیں آپ کے پاس۔" ڈاکٹر رضی ایک نظر اس کا چہرہ دیکھتے تھے اور دوسری نظر شہرین کی فائل کی جانب ڈالتے تھے۔ سمیع نے سر ہلایا۔
"جی جی سب رپورٹس موجود ہیں اور ابھی گزشتہ مہینے سب ٹیسٹ ہوئے ہیں۔ تھائی رائڈ۔ ایل ایف ٹی۔ رینل فنکشن ٹیسٹ۔" اس نے اپنی سمجھ کے مطابق ان تمام ٹیسٹ کے نام لیے تھے جو اس کے خیال میں کافی ضروری تھے اور جن کی شہرین کی تمام رپورٹس ٹھیک آئی تھیں۔ ڈاکٹر رضی نے سر ہلایا۔
"سی ٹی اسکین ہوا ہے کبھی...؟ آپ نے بتایا کہ یہ دو سال سے مختلف معالجین کے پاس جا رہی ہیں۔ پہلے کبھی کسی نے سی ٹی اسکین یا ایم آر آئی وغیرہ کروایا۔ کیا رپورٹ آئی تھی؟" یہ اب تک کا ڈاکٹر رضی کا طویل ترین جملہ تھا۔ سمیع نے چند لمحے سوچنے میں صرف کیے۔
"سی ٹی اسکین تو ہوا تھا شاید... مجھے ٹھیک سے یاد نہیں ہے' لیکن رپورٹ تو اس کے تمام ٹیسٹ کی ٹھیک آتی رہی ہیں' میں ابھی گھر سے تمام رپورٹس منگواتا ہوں۔ ڈاکٹر بشریٰ صفدر کو جانتے ہیں آپ... یہ گائناکولوجسٹ ہیں۔ ان سے تو ابھی دو ہفتے پہلے ملے تھے ہم... وہ کہہ رہی تھیں یہ صرف ڈپریشن ہے۔" سمیع بے چارگی سے چور لہجے میں بولا تھا۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کسی طرح سے ڈاکٹر رضی کے منہ سے یہ جملہ اگلوا لے کہ یہ صرف ڈپریشن ہے اور کچھ نہیں۔
"صحیح... صحیح... اللہ خیر کرے گا۔ ان شاء اللہ... بہرحال اچھی بات ہے کہ ٹیسٹ ہو جائے۔ آپ اسے احتیاطی تدبیر کہہ لیجیے... اللہ کریم ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں اور فوری ایم آر آئی کروایے۔" ڈاکٹر رضی نے فائل بند کردی تھی۔ سمیع نے گہری سانس بھری۔ اس کے حلق میں درد سا ہونے لگا تھا۔ اسے لگا وہ رونے لگے

گا۔ اس نے بمشکل خود پر قابو پایا۔
"جی ٹھیک ہے۔ جو آپ مناسب سمجھیں، لیکن..." اب کی بار اس نے ڈاکٹر رضی کی طرح جملے میں وقفہ دیا تھا۔
"آپ کے ذہن میں کیا چل رہا ہے ڈاکٹر... میرا مطلب ہے آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اندازہ لگا رہے ہیں آپ؟" اس کے چہرے پر ایسی کیفیت تھی کہ ڈاکٹر رضی کو اس پر ترس سا آیا۔
"انسانی ذہن کے اندازوں پر مت جائیے سمیع صاحب... اللہ پر بھروسا رکھتے ہوئے علاج مکمل ہونے دیجیے... وہ بہترین حکمت والا ہے۔" ڈاکٹر رضی نے اسے تسلی دی تھی۔ سمیع نے سر ہلایا۔
"بے شک اللہ کریم ہے۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھا تھا۔ شادی کے چار سال بعد اس کا دل چاہا تھا کہ اس کے گھر والوں میں سے کوئی اس کے پاس ہوتا۔ اسے کسی ایسے اپنے کی ضرورت تھی جو اس کی دل جوئی کر سکتا۔ اس کے قدموں کی تھکاوٹ ڈاکٹر رضی سے چھپی نہیں رہی تھی۔ انہوں نے بھی گہری سانس بھری۔ انہیں فوری ایم آر آئی رپورٹ کی ضرورت تھی۔

☆ ☆ ☆

محبت کی پہلی کہانی ختم ہوئی، لیکن زندگی ابھی باقی تھی اور وہ تمام شوق اور عادتیں بھی باقی تھیں جو کاشف نثار جیسے انسان کو اپنی حدود سے تجاوز کرتے رہنے پر اکساتی تھیں۔
یہ کچھ مردوں کی فطرت ہوتی ہے... انہیں یہ بات کبھی نہیں بھولتی کہ دل بہلانے والی سب ہی چیزوں میں انہیں عورت سب سے زیادہ مرغوب ہے، لیکن یہ بات وہ بھول جاتے ہیں کہ رغبت کے تحت اندھا دھند چلنے والوں کے لیے حساب کتاب اور عذاب بھی زیادہ ہوتے ہیں۔ کاشف مردوں کی اسی صنف سے تعلق رکھتا تھا بلکہ وہ اس رغبت کے ہاتھوں کچھ زیادہ ہی ستایا ہوا انسان تھا۔ گھر میں موجود بیوی اس کی تشفی کے لیے ناکافی تھی۔ اس لیے اس کی دوسری محبت کی کہانی، پہلی کے اختتام کے فوراً بعد ہی شروع ہو گئی تھی۔ اس کا نام رخشی طالب تھا اور وہ حبیبہ سے بالکل مختلف تھی۔ رخشی ایک ادھیڑ عمر پنجابی فلم اسٹار تھی جس کی طلب مارکیٹ میں کافی کم ہو چکی تھی۔ اس لیے وہ شادیوں وغیرہ پر یا چھوٹے شہروں میں کلچرل شو کر کے اپنی گزر بسر کر رہی تھی۔ کاشف نے پہلی بار اسے کسی کاروباری دوست کے بیٹے کی شادی میں دیکھا تھا اور شاید رخشی نے بھی اسے پہلی بار وہیں دیکھا تھا۔
"یہ ہمارے بہت ہی پیارے عزیز ہیں... کاشف نثار... دوستوں کے دوست۔" رزاق توقیر نے رخشی سے متعارف کروایا تھا اس کو۔
"سیٹھ صاحب اگر آپ ان کو "پیارے عزیز" نہ بھی کہتے تو بھی رخشی دیکھ سکتی ہے... پیاری شکل مجھ سے چھپی نہیں رہتی۔" وہ کاشف کو بغور دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی تھی۔ کاشف کو اس کھلی تعریف پر ہنسی آئی۔
"آپ نے تو شرمندہ ہی کر دیا مجھے۔" وہ اتنا کہہ سکا۔
"ارے کاشف صاحب اس میں شرمانے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا پہلے کبھی کسی نے آپ کو نہیں بتایا کہ آپ بہت ہی خوب صورت آدمی ہیں۔ کبھی فلموں میں ہیرو شیرو آنے کی کوشش کی یا نہیں۔" وہ پہلی ہی ملاقات میں اسے دل کھول کر سراہ رہی تھی۔ کاشف نے سر جھکا کر اپنے جوتوں کی ٹوہ کو دیکھا اور مسکراہٹ کو ہونٹوں میں ہی دبانے کی کوشش کی۔ رزاق صاحب کے سامنے کسی عورت کا اس طرح سراہنا اسے واقعی شرمانے پر مجبور کر گیا تھا۔

پھر خود چولہے کے پاس آگئی۔

"ابو آپ خود کیوں کچن میں آئے۔۔۔ مجھے بلوا لیتے۔" وہ ناراض ہو رہی تھی۔ خالو مسکرائے۔

"کیوں بھائی۔۔۔ میں کیوں بلواتا۔۔۔ مجھے پتا تھا میری بیٹی خود ہی میرے لیے کچھ اچھا سا ناشتا بنا کرلے آئے گی۔"

وہ ایک سمت میں پڑی بڑی سی میز پر بیٹھ گئے جسے وہ اسٹول کے طور پر استعمال کرتے تھے۔ خالو کے ساتھ نمنا کی بہت جمتی تھی۔ سارے خاندان میں وہ واحد انسان تھے جن سے لاڈ کرتے ہوئے نمنا کبھی نہیں شرماتی تھی اور وہ بھی اس سے اپنی سگی اولاد کی طرح محبت کرتے تھے۔ وہ بہت سادہ سے انسان تھے۔ اپنے کام سے کام رکھنے والے' ایماندار شخص' محکمہ زراعت میں کلرک رہے تھے' پھر ریٹائرمنٹ کے بعد ایک بڑی ملٹی نیشنل پرائیویٹ کمپنی میں ملازمت کرنے لگے تھے۔ وہ کم گو تھے اور ہر قسم کے لڑائی جھگڑوں اور بحث سے کتراتے تھے۔ جو انہیں نہیں جانتے تھے ان کے لیے وہ ایک خشک سی شخصیت تھے' لیکن جو جانتے تھے انہیں پتا تھا کہ وہ ایک بہت ہی بذلہ سنج اور رونقی انسان تھے۔ نمنا نے سردیوں اور گرمیوں کی کئی شامیں ان کے ساتھ کیرم بورڈ اور لڈو کھیلتے ہوئے اور بلاوجہ کی بحثیں کرتے ہوئے گزاری تھیں۔ وہ اس کے لیے اس کے سگے باپ سے کہیں بڑھ کر تھے۔

"اچھا وچھا تو مجھے کوئی نہیں پتا۔۔۔ لیکن فریج میں شامی کباب پڑے تھے۔ میں سینڈوچ بنا لائی ہوں بس۔۔۔ آپ کو پتا ہے میں زیادہ سگھڑ نہیں ہوں۔" وہ ساس پین کے نیچے آنچ کو مناسب کر کے فریج کی جانب مڑتے ہوئے بولی۔ نوشی باجی کا سوچ کر دل ابھی بھی پریشان تھا' لیکن وہ خالو سے ان کے متعلق بات کرتے جھجک رہی تھی۔ اگر وہ پریگننٹ نہ ہوتیں تو وہ برملا ان سے ان کے متعلق بات کرتی' لیکن ابھی اسے شرم سی آگئی تھی اور یہی حال ان کا بھی تھا سو وہ ایک دوسرے سے غیر ضروری باتیں کرنے لگے تھے۔

"زیادہ سگھڑ کی خوب کہی۔۔۔ تصحیح کرو۔۔۔ درست جملہ ایسے ہوگا آپ کو پتا ہے میں سرے سے سگھڑ ہوں ہی نہیں۔ ٹھیک سے اردو بولنا تو سیکھ لو کم از کم۔۔۔" یہ سلیم کی آواز تھی۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ نمنا کو اپنے گھر میں داخل ہوتے دیکھتا اور پھر اس کو دیکھنے نہ آتا۔

"جی اچھا ماسٹر جی۔۔۔ کر لیتی ہوں تصحیح' میں سگھڑ ہوں ہی نہیں اور اب تم بھی ذرا تصحیح کر لو اور اپنے ذہن میں بٹھا لو کہ مجھے سگھڑ ہونے کا شوق بھی نہیں ہے۔" وہ ساس پین میں پتی اور چینی وغیرہ ڈالتے ہوئے عام سے انداز میں بولی۔

"حد ہے ڈھٹائی کی۔۔۔ بھلائی کا تو زمانہ ہی نہیں ہے۔" سلیم وہیل چیئر کو اپنے ابو کے سامنے لے گیا تھا۔

"یہ بھلائی نہیں پڑھائی تھی' لیکن مجھے اردو پڑھنے کا کوئی شوق نہیں۔ جملہ درست کر کے لکھیں والا پانچ نمبر کا سوال میں اردو کے پیپر میں بھی چھوڑ آیا کرتی تھی۔" وہ مگن سے انداز میں بولی۔

"اسی لیے تم اردو میں نکمی رہ گئی ہو۔ اسٹوڈنٹس کو اردو پڑھانے کے لیے گائیڈ بکس ڈھونڈتی پھرتی ہو۔" سلیم اسے چڑا رہا تھا اور ساتھ ہی اس کا بنایا ہوا سینڈوچ کھانے لگا تھا۔

"بہت اچھے سینڈوچ ہیں۔۔۔ بہت ذائقہ ہے میری بیٹی کے ہاتھ میں۔" خالو اسے سراہ رہے تھے۔

نمنا کچھ نہیں بولی۔ اس نے چائے میں دودھ ڈال کر آنچ کو مناسب کیا تھا پھر سنک میں پڑے رات کے بچے ہوئے برتن جلدی جلدی دھونے لگی۔ اسے ٹیوشن پڑھانے بھی جانا تھا' لیکن یہاں بھی کام بکھرے دیکھ کر صرف خالہ کی مدد کے خیال سے کام کرنے لگی تھی۔ وہ نہ جانے کب اسپتال سے آتیں اور پھر آتے ہی کچن بکھرا دیکھ کر اس میں لگ جاتیں۔ ان کے آرام کا خیال کر کے نمنا یہ سب کرنے لگی تھی۔

"آپ کس غلط فہمی میں ہیں۔ یہ زری نے بنائے ہوں گے۔ یہ صرف درگت بنا سکتی ہیں لوگوں کی۔۔۔ اسے کہاں بنانا آتا ہے کچھ۔" سلیم اسے چڑا رہا تھا۔

"سلیم صاحب کوئی لیٹر تو نہیں پوسٹ کرنا کوئی چیز تو نہیں بھجوانی میں پوسٹ آفس جاؤں گی آج۔ اگر کوئی نئی چیز بھجوانی ہے کہیں تو دے دو۔" وہ سادہ سے انداز میں بولی تھی لیکن یہ ایک دھمکی تھی جو سلیم ہی سمجھ سکتا تھا کہ وہ ابو کے سامنے اس کی شاعری کا ذکر کرنے لگی ہے۔ اس نے بھی ابو کی جانب دیکھا۔ وہ ان دونوں کی جانب ہی دیکھ رہے تھے۔ وہ سٹپٹا سا گیا۔

"کون سا لیٹر... میں نے کیا بھجوانا کسی کو..." وہ اسی انداز میں بولا تھا۔ سنک میں برتن ختم ہو گئے تھے۔ نینا نے چائے کپوں میں انڈیل کر ان کے سامنے رکھی تھی۔

"وہی شاعری واعری... کوئی کہانی... افسانہ..." وہ ایسی ہی تھی۔ بے پروا اور اپنی مرضی کی مالک۔ سلیم نے اسے گھور کر دیکھا۔

"پتا نہیں کیا کیا بولتی رہتی ہو۔" وہ اپنی غلطی پر پچھتایا تھا۔ اس نے اطمینان سے چائے ان کے سامنے رکھی اور پھر ابو کو خدا حافظ بول کر بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی۔ اس وقت اس نے اپنے ابا کو اپنے گھر کے دروازے سے نکلتے دیکھا تھا۔ اسے دیکھ کر ان کے چہرے کا زاویہ بدلا لیکن انہوں نے کچھ کہا نہیں تھا۔ وہ اس کے قریب آئے تھے۔

"میں خالو کو ناشتا دینے آئی تھی۔" اس نے وضاحت کی تھی اور اسے سمجھ نہیں آیا تھا کہ اس نے ایسا کیوں کیا۔ ابا کے سامنے وہ خالو کو چاہتے ہوئے بھی ابو نہیں کہہ پاتی۔

"آؤ میں یونیورسٹی چھوڑ دیتا ہوں تمہیں..." ابا نے کہا تھا۔ گودام میں ان کی سوزوکی کھڑی ہوتی تھی جسے وہ کم ہی استعمال کرتے تھے۔ اپنی دکان پر آنے جانے کے لیے وہ موٹر بائیک کا استعمال کرتے تھے۔ کبھی گھر کی خواتین کے ساتھ آنا جانا ہوتا تھا تو گاڑی نکال لیتے تھے۔

"میں چلی جاؤں گی۔ گاڑی نکالنے میں جتنی دیر لگے گی۔ اتنی دیر میں تو میں پہنچ بھی جاؤں گی۔" اس نے سہولت سے انکار کر دیا۔ نوشی باجی کی طبیعت کی خرابی نے اس کے دل کو بوجھل سا کیا ہوا تھا۔

"بائیک پر چھوڑ دیتا ہوں۔" پیش کش کر رہے تھے۔ نینا نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا۔

"آجاؤ..." وہ آگے بڑھے تھے۔ نینا بھی سر جھکا کر ان کے پیچھے چل پڑی۔ بہت دن کے بعد اس کا دل چاہا تھا کہ ابا کی بات مان لے ورنہ تو وہ ہمیشہ ہی ان سے کتراتی ہی رہتی تھی اور ان کی بات سے انکار کرنا تو اس کا مشغلہ تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے یہ عورت ایک آنکھ نہیں بھائی۔" بی بی جان نے رخشی سے پہلی بار ملنے کے بعد اپنی رائے کا اظہار کیا۔ صوفیہ کو حیرت ہوئی۔ وہ کسی کے بارے میں اس طرح فوری رائے نہیں دیتی تھیں۔ یہ تو اس کی عادت تھی کہ وہ فوراً" ملنے والے والوں سے متعلق اپنے ایک مخصوص رائے قائم کر لیتی تھی اور اسے رخشی اچھی لگی تھی۔ تھوڑی فربہ، بڑھتی ہوئی عمر والی عورت... جس کے رنگے ہوئے بال واضح اس کی عمر کا پتا دیتے تھے۔ چہرے پر جھریاں بھی بغور دیکھنے سے نظر آجاتی تھیں اور سب سے بڑھ کر چیچک کے نشان تھے جو میک اپ کی تہ بھی چھپا نہیں پاتی تھی۔ کاشف کے احباب میں رخشی ایک ایسی عورت تھی جس نے صوفیہ کے اعتماد کو بہت حوصلہ دیا تھا۔ اس کی صاف ستھری نکھری ہوئی سانولی رنگت، اس کے چمکتے ہوئے بال اس کا جوان سراپا اور پھر حمل کا مخصوص روپ جو زری کی دفعہ تو اس کے قریب سے بھی نہیں گزرا تھا جبکہ اس بار تو سب اس کو سراہتے تھے، اس سے رنگ روپ میں اضافے کی ٹپس مانگتے تھے۔ ان دنوں اس کا مورال انتہائی تھا کہ اسے رخشی سے وہ خطرہ محسوس

"اوئے ہوئے ہوئے... اتنی سوہنی مسکراہٹ... بڑے ظالم ہیں بھئی آپ... ایسے مسکرائیں گے تو رخشی اپنا دل نکال کر آپ کے قدموں میں نہ رکھ دے گی۔" وہ بہت ہی منہ پھٹ تھی۔ کاشف اب کی بار اپنا قہقہہ روک نہیں سکا تھا۔ رزاق تو قیراس سے بھی زیادہ زور سے ہنسے تھے۔

"چلو بھئی کاشف... تمہارا تو صحیح پیچا پڑ گیا ہے۔ مزے کرو۔" وہ کاشف کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے شرارت بھری مسکراہٹ اس کی جانب اچھال کر آگے بڑھ گئے تھے۔

"پیچا بھی پڑا ہے اور بو کاٹا بھی ہو جائے گا۔" رخشی نے ان کی پشت دیکھتے ہوئے کہا تھا۔ کاشف کو اس کی کھلی ڈلی یہ عادت بڑی ہی چلبلی سی لگی۔ وہ اسے سب کے سامنے کسی طرح سراہ رہی تھی۔ ایسی عورتیں روز روز کہاں ملتی تھیں۔ وہ رزاق صاحب کے ہٹتے ہی جی جان سے اس کی جانب متوجہ ہوا۔

"آپ کی آواز بہت خوب صورت ہے۔ اچھا گاتی ہیں آپ۔" کاشف نے اس کی تعریف کی تھی۔

"آواز میں کیا رکھا ہے سوہنیو... اصل خوب صورتی تو وہ ہے جو اللہ نے آپ کو دے رکھی ہے۔" رخشی نے رزاق صاحب کے ہٹتے ہی مزید دلبرانہ انداز اپنایا تھا۔ کاشف نے پھر قہقہہ لگایا۔ پیچا واقعی پڑ گیا تھا۔

وہ ایک پرکشش مرد تھا اور رخشی ایک کھلی ڈلی عورت تھی۔ اسے مردوں کے ہاتھوں پر ہاتھ مار کر فحش لطیفے سننے سنانے سے الجھن ہوتی تھی، نہ ہی وہ مردوں کی گود میں بیٹھ کر شراب کا گلاس پیش کرنے سے کتراتی تھی۔ کاشف نے ابھی تک خاندان کی تہذیب یافتہ تمیزدار عورتیں دیکھی تھیں یا حبیبہ جیسی نفاست پسند عورت اس کی زندگی میں رہی تھی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اسے رخشی سے چڑ ہوتی اور وہ دوبارہ کبھی اس سے نہ ملتا، لیکن رخشی اسے بڑی پسند آئی۔ وہ اس کی اتنی تعریف کر رہی تھی کہ کاشف اس کے انداز کا لطف لینے لگا۔ دوسری ملاقات ایک غزل نائٹ میں ہوئی جس کے ٹکٹس خاص طور پر رخشی نے اسے بھجوائے تھے پھر تیسری چوتھی ملاقات کا پتا ہی نہیں چلا کہ کب کہاں کیسے ہوئیں۔ کاشف کو بس اتنا یاد رہا کہ حبیبہ کے چلے جانے سے اس کی زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہوا تھا جسے رخشی جیسی بھاری بھرکم عورت ہی بھر سکتی تھی۔

☆ ☆ ☆

"آپ کیا کر رہے ہیں؟" اس نے خالو سے کچن میں داخل ہوتے ہوئے پوچھا تھا۔ وہ چولہے کے پاس کھڑے نہ جانے کیا بنا رہے تھے۔ نوشی باجی کی حالت بہتر تھی، لیکن ڈاکٹر نے بہت زیادہ احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ امی نے فون پر یہی بتایا تھا۔ خالہ اسپتال میں ہی تھیں، لیکن امی صبح واپس آگئی تھیں۔ نمنا اور زری بھی امی کے گھر آنے کے بعد ہی سوئی تھیں پھر امی تاخیر سے سونے کے باعث صبح اٹھ نہیں پائی تھیں، لیکن نمنا اٹھی اور پھر یونیورسٹی کے لیے تیار ہو کر اس نے سینڈوچ میکر میں ڈبل روٹی پر کیچپ لگا کر شامی کباب والے سینڈوچ بنائے تھے۔ انہیں ایک پلیٹ میں بہت اہتمام سے رکھنے کے بعد فوائل سے لپیٹ کر وہ خالہ کے گھر آگئی تھی۔ ان کا دروازہ کھلا ہی تھا کیوں کہ سلیم نے دکان کا شٹر اٹھا رکھا تھا، لیکن وہ اسے نظر نہیں آرہا تھا شاید ابھی گھر والے حصے میں موجود تھا، لیکن اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔ وہ آج بالخصوص خالو سے ملنے آئی تھی، خالہ چونکہ اسپتال میں تھیں اور نمنا جانتی تھی کہ خالو اور سب لڑکوں کو ناشتا کرتا تھا۔ اسے اپنے ماں باپ کے ناشتے کی کبھی اتنی فکر نہیں ہوئی تھی، لیکن خالو کے بھوکے ہونے کا سوچ کر وہ اتنا تردد کر کے آئی تھی، ورنہ وہ اتنی من موجی تھی کہ دل نہیں چاہتا تھا تو بھوکی ہونے کے باوجود اپنے لیے بھی اتنا کام کرنے کو تیار نہ ہوتی تھی۔ خالو نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

"ارے میری بیٹی آئی ہے صبح صبح..." وہ اسے دیکھ کر خوش ہوئے تھے۔ نمنا نے آگے بڑھ کر پہلے چولہے کی جانب دیکھا جس پر ساس پین پڑا تھا۔ وہ شاید اپنے لیے چائے بنا رہے تھے۔ نمنا نے ان کی جانب پلیٹ بڑھائی اور

نہیں ہوا جو حبیبہ یا کاشف کے قریب رہنے والی کسی دوسری عورت سے ہو سکتا تھا یا پہلے ہوتا رہا تھا۔ کاشف پہلے بھی اپنے احباب کو، کاروباری مراسم رکھنے والوں کو گھر یا کبھی باہر کھانے کی دعوتیں دیتا رہتا تھا۔

"مجھے تو اچھی لگی بے چاری' تنہائی کی ماری ہوئی' آپ نے دیکھا نہیں کتنی جلدی گھل مل گئی۔۔۔ نخرہ و نخرہ بھی نہیں کیا۔۔۔ کھانے کی تعریف بھی کر رہی تھی اور کس طرح شوق سے سب کھایا اس نے۔۔۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ فلموں میں کام کرتی رہی ہے۔" صوفیہ نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔ بی بی جان پان پر چونا لگا رہی تھیں' لیکن دھیان اسی کی طرف تھا۔

"ان کا بھڑکیلا چست لباس۔۔۔ ان کی گفتگو کا منہ پھٹ انداز۔۔۔ بات بات پر منہ کھول کر ہنس رہی تھیں اور پھر دو دفعہ تو کھانے کی میز پر گانا گانے لگی تھیں اور کیا کرتیں وہ کہ تمہیں یقین آجاتا کہ وہ فلموں میں کام کرتی رہی ہیں۔۔۔ اب کیا ناچ کر دکھا دیتیں؟" بی بی جان چڑ کر پوچھ رہی تھیں۔ صوفیہ کو ہنسی آئی۔

"میرے کہنے کا مطلب تھا کہ بڈھی ہو چکی ہے۔ اس کا دور ختم ہو چکا۔ چڑھتے سورج کو پوجنے والی دنیا نے اسے سائیڈ لائن کر دیا ہوا ہے۔ اس لیے ہم عام جیسے لوگوں میں بھی گھل مل گئی تھی۔۔۔ مجھے تو لگا انسانوں کی ترسی ہوئی تھی۔ حیرت ہے آپ اس سے خار کھا رہی ہیں۔۔۔ وہ ہاری ہوئی شیرنی تھی بی بی جان۔"

"ہاری ہوئی شیرنیاں زیادہ خطرناک ہو جاتی ہیں کیوں کہ ہارنے کے باوجود یہ شیرنیاں ہار نہیں مانتیں۔۔۔ اس لیے ان سے خار کھانا ہی چاہیے۔۔۔ تم کاشف سے کہنا اسے دوبارہ گھر مت بلوائے بلکہ کوشش کرنا کہ اس سے میل ملاپ بالکل نہ ہو دوبارہ۔۔۔ اب بچی کی ماں بن چکی ہو تم۔۔۔ خود بھی ان نزاکتوں کو سمجھا کرو اور کاشف سے بھی کہنا۔۔۔ میں اب ہر بات بیاہی اولاد سے کہتی اچھی نہیں لگتی۔" ان کا انداز دو ٹوک تھا۔ صوفیہ کے چہرے پر شرارت چمکی۔

"یہی بات جب میں حبیبہ کے بارے میں کہتی تھی تو آپ خفا ہو جاتی تھیں اور اب یہ رخشی جو منہ متھے لگنے کے قابل نہیں ہے۔ اس سے محتاط رہنے کی تلقین کر رہی ہیں۔" جملہ مکمل کرتے ہوئے شرارتی رنگ طنزیہ سا ہو گیا تھا۔ بی بی جان نے پان منہ رکھ لیا تھا۔

"حبیبہ کی بات اور تھی۔۔۔ وہ کسی کی بیاہتا تھیں جب ہمارے حلقہ احباب میں شامل ہوئیں اور پھر ان کے اطوار ایسے نہیں تھے جیسے ان کے ہیں۔" انہوں نے دو ٹوک سے انداز میں کہا تھا۔

"بیاہتا ہو یا بیوہ۔۔۔ لیکن وہ ایک گھر خراب کرنے والی عورت تھی۔ رخشی بے چاری تو خیر چھوڑیں۔۔۔" اس نے جان بوجھ کر بات ادھوری چھوڑی تھی۔

"تمہارا مسئلہ یہ ہے صوفیہ بیٹی کہ تم انسانوں کو ان کے چہروں سے جانچتی ہو۔ ان کا تجزیہ ان کے وجود سے کرتی ہو۔ ابھی بچی ہو نا اس لیے۔۔۔ تمہیں پہچان نہیں ہے' میں نے زمانے کے سب سرد و گرم دیکھ لیے ہیں۔ میں وضع قطع دیکھ کر انسان کے اطوار بھانپ لیتی ہوں' میں نے کبھی حبیبہ کو اچھا نہیں کہا۔ اس کے انداز بھی اچھی عورتوں کے سے نہیں تھے' لیکن وہ اکیلی ہی قصوروار کب تھیں اور پھر۔۔۔" وہ لحہ بھر کے لیے چپ ہوئیں پھر عادت کے مطابق ہنکارا بھرا۔

"خیر چھوڑو۔۔۔ اپنا دامن اٹھاؤ تو اپنا بدن ہی ننگا ہوتا ہے۔ تم بس کاشف پر نظر رکھا کرو۔ اسے اس عورت سے ملنے جلنے مت دو۔" صوفیہ نے سابقہ انداز میں ان کی جانب دیکھا۔ وہ ہمہ وقت اس انداز میں بات نہیں کرتی تھیں' لیکن جب کرتی تھیں تو دکھی سی ہو جاتی تھیں۔ ان کے انداز میں کاشف کے لیے شکوک تھے جبکہ صوفیہ کے دل سے اب ہر شک جڑ سمیت ختم ہو چکا تھا۔ اسی لیے اسے بی بی جان کا انداز نا قابل ہضم لگا۔

"کاشف کی حسیات اب اس قدر مردہ بھی نہیں ہوئیں۔۔۔ وہ تو حبیبہ ہی ان پر ڈورے ڈالتی رہتی تھی۔ وہ تو ہمیشہ ہی کتراتے رہے ہیں۔ اب عورت ہی بچھ بچھ جائے گی تو مرد کب تک دامن بچائے گا۔ اچھا ہوا مر کھپ گئی

کہیں۔۔۔ ہماری زندگی سے تو نکلی۔۔۔ اللہ کا شکر۔۔۔'' بی بی جان نے اس کی بات کاٹ دی۔
''اسی لیے کہہ رہی ہوں کہ بس اس رخشی سے دوبارہ میل ملاقات کی ضرورت نہیں۔''
''آپ فکر کیوں کر رہی ہیں۔ کاشف پر بھروسا ہے مجھے بی بی جان۔۔۔ وہ اب بہت بدل گئے ہیں۔۔۔ زرمین کے آنے سے بہت ذمہ دار ہو گئے ہیں انہیں اچھے برے کی پہچان ہو چکی ہے۔ اسی لیے تو حبیبہ کا نام بھی نہیں لیتے اب کیوں کہ ان کو خوب اچھی طرح پتا چل چکا تھا کہ وہ اچھی عورت نہیں تھی اور پھر یہ رخشی۔۔۔ یہ تو پکی عمر کی آنٹی ہے اور پھر۔۔۔'' وہ لمحہ بھر کے لیے رکی اور لہجے میں شرارت سمو کر بولی۔
''آپ کا بیٹا بہت حسن پرست ہے بی بی جان۔۔۔ رخشی جیسی کو گھاس نہیں ڈالنے والے۔'' بی بی جان نے اس کا چہرہ دیکھا اور پھر گہری سانس بھری۔ ساس بہو کے درمیان گفتگو عجیب رخ اختیار کر چلی تھی' لیکن وہ پھر بھی اپنا موقف واضح کرنا چاہتی تھیں اس لیے بولیں۔
''صوفیہ میری ماں، جی اللہ بخشے انہیں بڑی سیانی عورت تھیں۔۔۔ وہ کہا کرتی تھیں۔ مرد سرہانے رکھا سانپ ہوتا ہے۔ یعنی اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے۔ اپنے مرد کے معاملے میں ہمیشہ مستعد اور چوکس رہو ورنہ وہ ڈنک مارتے لمحہ نہیں لگاتے۔ تم سمجھ رہی ہو نا میری بات بیٹی۔۔۔'' بی بی جان نے اسے بڑی ہی قیمتی بات بتائی تھی۔ صوفیہ نے سر ہلایا۔
''جی بی بی جان سمجھ رہی ہوں۔۔۔ آپ میری بڑی ہیں۔ بالکل ٹھیک رہی ہیں' لیکن ایک بات میں بھی ضرور کہوں گی۔۔۔ ہر مرد بھی ''ایسا'' نہیں ہوتا۔۔۔ کچھ مرد عورت کے حسن سلوک اس کی خدمت اور محبت سے بالکل بدل جاتے ہیں۔ بچپن کے لاڈ پیار نے انہیں غیر ذمہ دار بنا رکھا تھا۔ آپ نے انہیں بے جا آزادی دے کر ان کو اس طرح کا بنا دیا ہوا تھا' لیکن میری محبت اور خدمت نے کاشف کا دل جیت کر انہیں یکسر بدل ڈالا ہے بی بی جان۔۔۔ میں بہت مطمئن ہوں آپ مجھے دوبارہ سے ان وسوسوں کا شکار مت ہونے دیں جن سے میں بہت مشکل سے نکلی ہوں۔''
وہ انہیں تسلی دیتے ہوئے اپنی جگہ سے اٹھ گئی تھی۔ بی بی جان چپ کی چپ رہ گئیں۔ کل کی بچی سارا الزام ان کی تربیت کے سر رکھ کر انہیں ہی مورد الزام ٹھہرا گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

اماں رضیہ نے دوبارہ لینڈ لائن فون سے سمیع کے فون کا نمبر ملوایا تھا۔ مسلسل بیل جا رہی تھی' لیکن وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ اماں رضیہ نے بے بسی سے فون کریڈل پر رکھ دیا۔ چوبیس گھنٹے سے زیادہ ہو چلے تھے اور شہرینہ ابھی تک اسپتال میں ہی تھی۔ سمیع نے دوپہر کے قریب فون کیا تھا اور بتایا تھا کہ شہرین کو ہوش آگیا ہے۔ اس کے کچھ ضروری ٹیسٹ ہیں اور ڈاکٹر نے ابھی ڈسچارج نہیں کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس نے مزید کچھ نہیں بتایا تھا اور تب سے اماں رضیہ کا دل بالکل بجھا ہوا تھا۔ کبھی شہرین کی طرف دھیان جاتا کہ اللہ جانے بچی کو مسئلہ کیا ہے پھر سمیع کے لیے دل بے چین ہونے لگتا کہ نہ جانے اس نے کھانا کھایا ہوگا ابھی تک یا نہیں' ساتھ ساتھ شہرین اور سمیع کے ماں باپ پر غصہ آنے لگتا جنہوں نے اپنی اپنی اولادوں کی زندگیوں کو کس قدر اذیت ناک بنا دیا ہوا تھا اور سب سے آخر میں اپنے ساتھ صوفے پر بیٹھی ایمن پر ترس آنے لگتا جسے ماں باپ کی توجہ ملی ہی نہیں تھی۔
''ایمن بیٹی۔۔۔ کچھ کھاؤ گی۔'' انہوں نے بہت محبت سے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر پوچھا تھا۔ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔
''یہاں آؤ میری بچی۔۔۔ میری گود میں آؤ۔۔۔ ہنسا بولا کرو چندا۔۔۔ رانی اے رانی۔۔۔ ایمن کے کھلونے لاؤ۔'' وہ

اسے اپنی گود میں لیتے ہوئے رانی کو آواز دے رہی تھیں۔

ایمن نے صبح سے اپنی ماں کو دیکھا تھا نا باپ کو اور اب مغرب ہو چلی تھی' لیکن وہ نہ روئی تھی نہ ان کے متعلق کچھ پوچھا تھا۔ وہ سارا دن ان کے ساتھ رہتی ہی نہیں بلکہ اس کا وقت رانی یا اماں رضیہ کے ساتھ ہی گزرتا تھا۔ اس کے باوجود اماں رضیہ کو محسوس ہو رہا تھا کہ ایمن کی آنکھوں میں سوال چھپا ہے' لیکن اسے پوچھنا نہیں آرہا کہ اس کی ماں کہاں ہے۔ وہ انہیں معمول سے ہٹ کر خاموش لگ رہی تھی۔ انہوں نے اسے گود میں لے لیا۔ اسی دوران باہر کی بیل بجی تھی۔ گھر میں مرد ملازم ایک ہی تھا جو گیٹ کیپر بھی اور ڈرائیور کے طور پر بھی کام کرتا تھا' لیکن وہ عموماً" مغرب کے وقت چلا جایا کرتا تھا۔ وہ بھی سمیع کے ساتھ اسپتال میں ہی تھا۔ رانی کچن میں اپنے کھانے کے لیے روٹی بنا رہی تھی۔ اماں رضیہ نے ایمن کو گود سے اتار کر دوبارہ صوفے پر بٹھایا اور آہستگی سے اٹھیں تھیں تاکہ گیٹ کھول کر آسکیں۔ اسی دوران رانی جلدی جلدی کچن سے نکلی اور انہیں بیٹھنے کا اشارہ کر کے باہر نکل گئی۔ اماں کو یہ بھی برا لگا۔ انہیں اچھا نہیں لگتا تھا کہ جوان جہان بچی دروازہ کھولنے جائے۔ وہ آہستگی سے چلتی چلتی لاؤنج کے دروازے تک آگئیں جہاں سے گیٹ تک نگاہ پڑتی تھی۔

"اری کم بخت... دیکھ تو لیتی کون ہے۔" اسے بعجلت گیٹ کھولتا دیکھ کر وہ چڑ کر بولی تھیں۔ گیٹ کھلتے ہی دو لوگ اندر داخل ہوئے تھے اور ماں کے چہرے پر یک دم تاثرات بدلے تھے۔

"کیا اس گھر میں آنے والے مہمان کی اتنی عزت بھی نہیں کی جاتی کہ گھر کے مالک ان کے لیے دروازہ کھول دیں۔" آنے والی خاتون نے طنزیہ انداز میں رانی کو دیکھتے ہوئے اونچی آواز میں کہا تھا۔ آواز اماں رضیہ تک بھی آئی تھی۔ انہوں نے جلدی جلدی قدم دروازے سے باہر نکالے اور آنے والے مرد اور عورت کا استقبال کیا تھا۔ مرد کی نسبت عورت کے چہرے پر زیادہ رعونت تھی۔

"میں آہی رہی تھی بھابھی۔ ایمن کو لے کر بیٹھی تھی... اس لیے... ذرا..." انہوں نے وضاحت کرتے ہوئے آنے والی خاتون سے معانقہ کیا تھا جس کا جواب زیادہ گرم جوشی سے نہیں دیا گیا تھا۔ رانی کھوجنے والے انداز میں ان کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ وہ ان لوگوں کو پہلی بار دیکھ رہی تھی' لیکن اس کے چہرے پر مخصوص قسم کا اشتیاق تھا۔ مہمانوں کی آمد اسے بڑی پسند تھی جو اس گھر میں کم ہی آتے تھے۔ ان کی بھابھی اور بہن اسے بتاتے رہتے تھے کہ مالکوں کے مہمان آتے جاتے انہیں سو پچاس دے کر ہی جاتے تھے جبکہ رانی نے اس گھر میں اس معاملے میں خشک سالی ہی دیکھی تھی۔ اماں رضیہ دونوں مہمانوں کو لے کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔ رانی نے بھی ان کی پیروی کی۔

"یہ ایمن ہے... یہاں آؤ بچی... ہمیں پہچانتی ہو۔" وہ بیٹھتے ہی ایمن کو دیکھتے ہوئے سوال کر رہی تھیں۔ ایمن اسی انداز میں صوفے پر بیٹھی تھی۔

"یہاں تو آؤ... ماں نے سلام ولام کرنا بھی سکھایا ہے یا نہیں... ہمارے بارے میں تو کبھی جھوٹے منہ نہ بتایا ہو گا انہوں نے... ارے دادی دادا ہیں تمہارے... تمہارے باپ کے ماں باپ ہیں۔ جن کے کلیجے تمہاری ماں نے چیر رکھے ہیں۔" وہ ایمن سے بھی اسی انداز میں بات کر رہی تھیں جس میں اماں رضیہ سے کی تھی۔ وہ سمیع کے ماں باپ ہیں۔ یہ سن کر رانی مستعد ہو کر آگے بڑھی تھی۔

"یہ تو بہت اچھی بچی ہے باجی۔ ایمن دیکھو یہ آپ کی دادی ہیں۔ ہیلو تو بولو ان کو۔" وہ ایمن کے قریب آکر اسے سمجھانے لگی تھی۔ ایمن اس کے اس طرح کہنے پر ذرا سا منمنائی تھی۔ دادی نے اس کا کچھ اثر نہیں لیا تھا۔

"جاؤ اپنی مالکن کو بتا کر آؤ کہ ان کے سسرال والے آئے ہیں۔ دو گھڑی کو شکل دکھا جائیں۔" انہوں نے رانی کو طنزیہ انداز میں حکم دیا۔

"وہ تو جی کل سے گھر نہیں ہیں۔ سمیع صاحب اور وہ دونوں ہی۔۔۔" رانی نے اتنا ہی کہا تھا کہ انہوں نے بات کاٹ دی۔

"اچھا تو بچی کو یہاں چھوڑ کر سیر سپاٹوں پر نکلے ہوئے ہیں۔ یہ تو حال ہے اس پڑھی لکھی پٹھانی کا۔۔۔ یہ ذرا سی بچی کو تم لوگوں کے سپرد کر کے آپ گھر سے غائب ہیں۔ سمیع پر تو کالا جادو کر دیا ہوا ہے اس نے۔۔۔ اسے اب بھی عقل نہیں آئی۔ بتاؤ مجھے کہتا تھا کہ شہرین پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہی گھر اور بچوں کو اچھے طریقے سے سنبھال سکتی ہے۔ ارے رضیہ اب تم کیوں منہ سی کر بیٹھی ہو۔ تم بھی نہیں سمجھاتی سمیع کو۔۔۔ تمہاری تو خوب سنتا ہے۔" تو پوں کا رخ اب اماں رضیہ کی جانب ہوا تھا۔ اماں رضیہ نے رانی کو اشارہ کیا کہ ان کے لیے کولڈ ڈرنک لائے پھر دھیمی سی آواز میں بولیں۔

"ارے نہیں بھابھی غلط فہمی ہوئی آپ کو۔۔۔ سیر سپاٹا کہاں کریں گے بے چارے۔۔۔ بیمار پڑی ہے بے چاری بچی۔۔۔ اسپتال میں ہے۔ سمیع کل سے ان کے ساتھ خوار ہو رہا ہے۔"

"اسپتال میں۔۔۔ اب کیا ہو گیا خیر سے۔۔۔؟" وہ ناک چڑھا کر پوچھ رہی تھیں۔

"یہی تو سمجھ میں نہیں آتا بس سر میں ہی درد ختم نہیں ہوتا۔ وہ کیا ہوتا ہے موا بلڈ ہائی رہتا ہے۔ ڈاکٹر کہتے ہیں ٹینشن ہے۔" اماں نے اپنی سمجھ کے مطابق جواب دیا تھا۔ سمیع کی امی کا ناک اور چہرہ یک دم پھول سا گیا۔ انہوں نے ناگواری سے جتانے والے انداز میں اپنے شوہر کی طرف دیکھا جو بس ادھر ادھر دیکھ کر شاید بیٹے کی مالی حالت کو نظروں ہی نظروں میں تول رہے تھے۔

"اسی لیے۔۔۔ بس اسی لیے۔۔۔ میں کسی پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کے حق میں نہیں تھی۔ ان کی تو دکانداریاں ہی الگ ہوتی ہیں۔ نخرے نزاکتیں ہی ختم نہیں ہوتے۔۔۔ بتاؤ سر درد بھی کوئی بیماری ہے بھلا۔۔۔ ہمیں تو کبھی نہ ہوا یہ سر درد۔۔۔ ہمیں تو شوہر کے سامنے کبھی تکلیف بیان کرنے کی جرات بھی نہ ہوئی اور ایک یہ شہرین بیگم ہیں۔۔۔ چھینک کو بھی ہارٹ اٹیک کہہ کر شوہر کو سناتی ہوں گی۔ مجھے پتا ہے۔ سب جانتی سمجھتی ہوں میں۔۔۔ شوہر کی توجہ اور روپے پیسے بٹورنے کے لیے بیمار ہی پڑی رہتی ہوں گی ہماری بہو رانی۔" ان کے چہرے پر رعونت مزید بڑھ گئی تھی۔ اماں رضیہ کا دل کسی نے نچوڑ کر رکھ دیا۔ وہ کبھی ماں نہیں بنی تھیں لیکن شہرین اور سمیع دونوں کی مائیں بھی کبھی انہیں گوشت پوست کے انسان کے بجائے کسی سنگلاخ چٹان کو کاٹ کر بنائے گئے مجسمے لگتے تھے جن کے سینے میں اللہ نے دل ہی نہیں رکھا ہوا تھا۔

"نہیں بھابھی۔۔۔ وہ تو خود بے چاری ڈاکٹرز سے بے زار ہے۔۔۔ دوا کھا کھا کر اتنا اکتا چکی ہے کہ اب دواؤں کی شکل بھی نہیں دیکھتی۔ بس اچھے انسانوں کی آزمائشیں ختم نہیں ہوتیں۔ شہرین بٹی بھی ایسے لوگوں میں سے ایک ہے۔" اماں رضیہ نے دھیمے سے لہجے میں شہرین کی حمایت کرنی چاہی تھی لیکن سمیع کی امی بھڑک ہی اٹھیں۔

"ارے رضیہ تم تو ہو ہی تھالی کا بینگن۔۔۔ بس جہاں اپنا فائدہ دیکھا اسی طرف لڑھک گئیں۔ سمیع کے یہاں رہ رہی ہو۔۔۔ اس کی بیوی کا دم نہیں بھرو گی تو کیا میرا بھرو گی۔۔۔ مجھے نہ بتاؤ کون کتنا اچھا ہے۔ جن کتابوں کے سبق تم اب پڑھ رہی ہو نا یہ سب ہم نے بچپن میں پڑھ لی تھیں۔ تم سے زیادہ پہچان ہے مجھے اچھے برے کی۔" وہ کچھ زیادہ ہی بھری ہوئی تھیں۔ اماں رضیہ چپ کی چپ رہ گئیں کیوں کہ اس لمحے رانی کولڈ ڈرنکس کے گلاس لیے چلی آئی تھی اور اماں رضیہ کی درگت بنتے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں بس اب یہ دو جوس پلا کر رخصت کر دو ہمیں ہمارے ہی بیٹے کے گھر سے۔۔۔ چائے پلوانے کی تو ہماری بہو کی جانب سے ممانعت ہو گی کہ سسرال والوں پر تو دھیلا بھی نہ خرچا جائے۔" وہ ایک بار پھر تنک کر بولیں۔ اماں رضیہ اپنی جگہ سے اٹھی تھیں۔

"ایسا کیوں کہہ رہی ہیں بھابھی۔۔۔ چائے کیا' آپ کھانا بھی کھائیں۔ آپ کا اپنا ہی گھر ہے۔ میں بس چائے بناتی ہوں آپ کے لیے۔۔۔ کل کیک لائے تھے سمیع میاں بہت اچھا اور تازہ تھا۔ وہ بھی لاتی ہوں آپ کے لیے۔"
اماں رضیہ نے اب کی بار جواب کا انتظار بھی نہیں کیا تھا۔ انہیں پتا تھا یہاں سے جلی کٹی ہی سننے کو ملنی تھیں۔ سمیع کی امی کی ایک کزن بھی یہاں کراچی میں ہی مقیم تھیں۔ گمان غالب تھا کہ ان لوگوں کا قیام ان ہی کے یہاں تھا ورنہ کچھ سامان وغیرہ تو ہمراہ ہوتا۔ اماں رضیہ یہی سب سوچتی کچن کی جانب چلی گئی تھیں۔ سمیع کی امی نے رانی کو بغور دیکھا تھا۔ اس نے بھی فوراً" جوس کا گلاس اٹھا کر پہلے ان کے شوہر کو اور پھر انہیں دیا۔ اس کے بعد اس نے میز پر پڑا ریموٹ اٹھا کر سامنے کی طرف رکھ دیا تھا تاکہ اگر سمیع کے والد چاہیں تو ٹی وی لگالیں۔ وہ ان لوگوں کے سامنے کچھ زیادہ ہی مستعد نظر آنے کی کوشش کررہی تھیں۔ وہ گھر کے مالک کے والدین تھے اور اماں رضیہ کی جو حالت اتنی سی دیر میں انہوں نے کردی تھی اسی سے رانی کو اندازہ ہوگیا تھا کہ رعب اور دبدبے کے بوجھ سے کچھ زیادہ ہی لدے پھندے ہیں۔ ایسے لوگوں کی حمایت ملازموں کے لیے بڑی ہی ضروری ہوتی ہے اور رانی ان کی حمایت حاصل کرنا چاہتی تھی۔ ایمن' اماں رضیہ کے تعاقب میں کچن کی جانب چلی گئی تھی۔ دادی کے خشمگین سے انداز نے اس پر کوئی اچھا تاثر نہیں چھوڑا تھا۔

"کیا نام ہے تمہارا۔۔۔؟" سمیع کی امی نے تو یوں کا رخ اس کی جانب کیا۔

"جی نام تو میری ماں نے زیب النساء رکھا تھا پر سب پیار سے رانی رانی کہتے ہیں۔" وہ جواب دینے کے لیے بالکل چوکس تھی۔

"اچھا تو بیگم رانی رانی۔۔۔ یہ بتاؤ تمہاری بیگم صاحبہ کب سے اسپتال میں ہے؟" وہ اسے گھور رہی تھیں۔

"جی شیرین باجی تو کل رات سے ہی وہاں ہیں۔ ابھی تک واپس نہیں آئیں۔ سمیع بھائی کا فون آیا تھا۔ کہتے ہیں ابھی ایک دن اور لگے گا۔" اس نے اپنی طرف سے مزید اضافہ کرکے بتایا تھا۔ سمیع کی امی نے ناک سے مکھی اڑانے والے انداز میں سرہلایا۔

"ایسا کیا ہوگیا ہے تمہاری شیرین باجی کو۔۔۔" سمیع کی امی کی انداز میں طنز کی آمیزش مزید بڑھ گئی تھی۔ رانی نے کچن کی جانب دیکھا۔ اماں رضیہ یقیناً" وہاں مصروف تھیں۔ اس نے ان کی جانب سر جھکایا اور آہستہ سی آواز میں بولی۔

"وہ جی ایمن کی سالگرہ تھی نا کل۔۔۔ تو ان کے گھر والے بھی آئے تھے۔ بڑی بے عزتی کی انہوں نے شیرین باجی کی اور سمیع بھائی کی بھی۔۔۔ ایمان سے ساری تقریب کا ستیاناس کردیا۔ ان کی امی نے گالیاں والیاں بھی دیں۔" وہ مکمل جاسوسی کے موڈ میں تھی۔ سمیع کی امی کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ چمکنے لگی۔

"اچھا ہی ہوا۔ اب سمیع کو احساس ہوا ہوگا کہ میں کس لیے اسے پٹھانوں میں رشتہ کرنے سے روکتی تھی۔۔۔ سن رہے ہیں آپ۔ یہ سب ہورہا ہے آپ کے بیٹے کے ساتھ یہاں پر۔۔۔" یہ کہتے ہوئے انہوں نے اپنے شوہر کی شکل بھی دیکھی جواب تک بالکل غیر جانبداری سے بس جائزہ لینے میں مگن تھے۔

"بس جی یہی بات دل پر لے لی شیرین باجی نے۔۔۔" رانی نے مزید ٹکڑا لگایا۔ سمیع کی امی استہزائیہ انداز میں ہنسیں۔

"ارے ہاں بھئی۔۔۔ بہت ہی نازک دل ہے تمہاری شیرین باجی کا۔۔۔ دل پر کیوں نا لیں گی۔۔۔ انہیں پتا جو ہے کہ ان کے شوہر نے انہیں ہتھیلی کا چھالا بنا رکھا ہے۔" رانی نے ایک بار پھر کچن کی طرف دیکھا۔ اس کے پاس ایک اور اہم خبر بھی تو تھی جو وہ سمیع کی امی کو بتا سکتی تھی۔ کیا پتا اسے سو دو سو مل ہی جاتے۔ وہ اب کی بار بالکل ہی ان کے مونڈھے کے قریب جھکی تھی۔

"وہ۔جی ان کو بچہ بھی ہونے والا ہے نا۔۔۔ لیکن بتاتی نہیں ہیں کسی کو۔۔۔" سمیع کی امی نے چونک کر اسے دیکھا تھا پھر طنزیہ انداز میں شوہر کو بھی دیکھا تھا۔ اماں رضیہ کو کچن میں خبر بھی نہ ہوئی تھی کہ رانی نے ان کے پیچھے کیا قیامت برپا کردی ہے۔

"میں نے اپنی سم کچھ دن کے لیے بند کردی ہے۔ آپ نے یہی کہا تھا نا مجھے۔۔۔" رانیہ کسی تابعدار بچی کی طرح اسے خود ہی بتا رہی تھی۔

نینا کو دل ہی دل میں بڑی شرمندگی ہوئی۔ اس نے دو دن پہلے اس سے وعدہ تو کرلیا تھا کہ وہ اس کی مشکل کو حل کرنے کے لیے ضرور کچھ کرے گی' لیکن وہ عملی طور پر کچھ بھی نہیں کرپائی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ صبح گھر سے نکلنے سے پہلے وہ سلیم سے پوچھے گی کہ اس نے اپنے دوست سے سم بلاک کرنے کی بات کی یا نہیں' لیکن نوشی باجی کی پریشانی اس کے حواسوں پر اس طرح سوار رہی تھی کہ اسے کچھ بھی یاد نہیں رہا تھا۔ یونیورسٹی اسے ابا نے ڈراپ کردیا تھا اس لیے وہ رانیہ کو پڑھانے نہیں آسکی تھی اور ابھی بھی وہ آنا نہیں چاہتی تھی' لیکن رانیہ کے ایگزامز کا اس کی امی نے اتنی بار تذکرہ کرکے اسے تاکید کی ہوئی تھی اور پھر ایڈوانس میں ٹیوشن فیس بھی دے دی ہوئی تھی اس لیے نینا نے سوچا تھا کہ یونیورسٹی کے بعد رانیہ کو پڑھا آتی ہے' لیکن دوسری ٹیوشن سے چھٹی کرلے گی۔ اس ساری پریشانی میں اس کے ذہن سے رانیہ کے گھر آتے ہوئے بھی اس کی مدد والی بات نکل ہی گئی تھی' لیکن جب رانیہ نے خود اس بات کا تذکرہ کیا تو اسے فورا" اپنا سارا دھیان اس کی طرف لگانا پڑا۔ اس کی یہ بات اچھی تھی کہ جب کسی کے ساتھ ہمدردی یا اس کی مدد کا وعدہ کرلیتی تھی تو پھر جی جان سے وہ کام نبٹاتی تھی۔

"یہ اچھا کیا آپ نے۔۔۔ اور آپ گھبراؤ مت۔۔۔ وہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔" اس نے رانیہ کو تسلی دی تھی۔

"دراصل اکیڈمی کے کچھ لوگ اس کے پاس ایڈ ہیں۔ مجھے ڈر لگتا ہے یہ سوچ کر کہ وہ میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کردے۔ سب لوگ پھر اکیڈمی میں باتیں کریں گے میرے بارے میں۔" وہ بے چاری واقعی ڈری ہوئی تھی۔ ورنہ اتنے دنوں میں نینا نے اسے بہت ہشاش بشاش ہی دیکھا تھا' لیکن اب کچھ دن سے وہ بالکل بجھی بجھی سی تھی۔

"فیس بک پر۔۔۔" نینا نے یہ سوال پہلے بھی پوچھا تھا' لیکن اب دوبارہ پوچھ کر یقین دہانی چاہ رہی تھی۔ نینا نے شرمندہ ہوتے ہوئے سر ہلایا۔

"میں نے آپ سے کہا تھا نا کہ ایسے لوگوں کو بلکہ کسی بھی بغیر جان پہچان کے انسان کو فیس بک پر ایڈ مت کیا کریں۔" وہ ابھی اتنا ہی بولی تھی کہ رانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"قسم سے نینا باجی میں نے ایڈ نہیں کیا ہوا' لیکن میں نے آپ کو بتایا تھا نا کہ میری فیس بک اکاؤنٹ راہنزل کے نام سے تھی۔ اس نے مجھے ایک بار میسج کیا۔ میں نے پوچھا کہ "آپ کون ہیں" "میں آپ کو نہیں جانتی تو اس نے فورا" سوری بول دیا اور کہنے لگا کہ دراصل اس کی گرل فرینڈ کا اکاؤنٹ بھی راہنزل کے نام سے ہے تو وہ مجھے اپنی۔۔۔ دراصل۔۔۔ وہ سمجھا شاید میں اس کی گرل فرینڈ ہوں۔" رانیہ یہ سب بتاتے ہوئے بے حد شرمندہ نظر آرہی تھی۔ نینا کو اس پر ترس آیا۔ اس کے اندر عام بچیوں والی تیزی طراری مفقود تھی۔ وہ واقعی اس بات کی وجہ سے کافی گھبرائی ہوئی تھی۔ ساتھ ہی نینا کو اس پر لڑکے پر بے پناہ غصہ آیا۔

"میں نے اسے فورا" اسے بتادیا تھا کہ میں اس کی گرل فرینڈ نہیں ہوں۔ اس کے بعد اس نے مجھے بتایا کہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔ دراصل اسے میرا نمبر واٹس ایپ والے گروپ سے ملا ہے اور پھر اس نے فضول میسجز

کرنے شروع کردیے اور بار بار کہنے لگا کہ مجھے فیس بک پر ایڈ کرو یا مجھ سے فون پر بات کرو۔۔۔ وہ تو یہ بھی کہتا ہے کہ اس نے مجھے دیکھ رکھا ہے۔ اکیڈمی کی کسی پارٹی کی تصویریں ہیں اس کے پاس۔۔۔" وہ رک رک کربات مکمل کررہی تھی۔

"مجھے سب سے زیادہ اسی بات کا ڈر ہے کہ وہ کسی گروپ میں یا کسی فورم پر میرے بارے میں کوئی الٹی سیدھی بات نہ کردے۔"

"اتنا کیوں ڈر رہی ہو۔ اتنا ہی سورما یا بہادر ہوتا وہ تو ایسے بزدلوں کی طرح آپ کو ڈرانے کی کوشش نہ کررہا ہوتا۔ وضاحتیں مت دو رانیہ۔۔۔ دکھاؤ مجھے ذرا کیا آئی ڈی ہے اس کی۔ تصویر وغیرہ لگائی ہوئی ہے اس نے اپنی۔۔۔؟ وہ اگر آپ کی پروفائل چیک کرکے آپ کو تنگ کرسکتا ہے تو یہ کام ہم بھی کرسکتے ہیں۔" وہ ناراضی بھرے لہجے میں بولی تھی۔ رانیہ نے فوراً ہی اسے ایک نام بتادیا تھا۔ نمنانے اسی کے لیپ ٹاپ سے اسی کی آئی ڈی پر سرچ کرکے اس شخص کی پروفائل کھول لیا تھا۔

"یہی ہے۔۔۔؟" نمنانے اس کی پروفائل پکچر کو انلارج کرکے رانیہ سے پوچھا۔ اس نے اثبات میں سرہلایا تھا۔

"آپ نے دیکھا ہے اسے کبھی کہیں۔۔۔ اکیڈمی وغیرہ میں۔۔۔" وہ تصویروں کو بغور دیکھتے ہوئے دوسرا سوال پوچھ رہی تھی کیوں کہ تصویروں میں نظر آنے والا لڑکا رانیہ کی طرح کوئی سترہ اٹھارہ سال کا تو نہیں لگ رہا تھا۔ شکل سے تو وہ یونیورسٹی کا اسٹوڈنٹ لگ رہا تھا۔ اس نے اپنی تصاویر بھی کافی ساری شیئر کررکھی تھیں نمنا دھیرے دھیرے سب دیکھنے لگی پھر اس نے رانیہ کا چہرہ دیکھا تھا۔

"پتا نہیں اب اس نے تصویر بھی اپنی لگا رکھی ہے یا نہیں۔۔۔" وہ اپنا خیال ظاہر کررہی تھی۔ رانیہ نے بے بسی سے کندھے اچکائے۔

"آپ اتنا ڈر کیوں رہی ہیں رانیہ۔۔۔ دیکھیں اگر انسان سچا ہو تو اسے کبھی ڈرنا نہیں چاہیے۔ آپ کسی کو بھی جواب دینے سے پہلے خود اپنے آپ کو۔ اپنے اللہ کو جواب دہ ہیں۔ آپ نے اگر کوئی غلط کام نہیں کیا ہے تو اللہ آپ کی مدد ضرور کریں گے۔" نمنانے اتنا ہی کہا تھا کہ رانیہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں نمنا باجی۔۔۔ میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" اب کی بار نمنانے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں وضاحت نہیں مانگ رہی رانیہ۔۔۔ میں آپ کو ایز اے ٹیچر نصیحت کررہی ہوں۔" نمنانے اتنا کہا پھر اس کی جانب دیکھ کر بولی۔

"رانیہ مجھے نہیں پتا آپ نے اپنی آئی ڈی راپنزل نام کی کیوں بنائی' لیکن مجھے لگتا ہے ہر لڑکی ہی راپنزل ہوتی ہے۔ اپنی حدود اور روایات کے قلعے میں محصور' اپنے پیاروں کی حفاظت میں ہر برے شخص سے محفوظ۔۔۔ ہمارے جیسے گھروں میں ماں باپ ہمیں بہت محبت سے زمانے کے سرد و گرم سے بچا کر پالتے ہیں۔ ہماری حفاظت کرتے ہیں' ہمیں گندی میلی آنکھوں سے' برے ارادوں سے محفوظ رکھنے کے لیے ہمیں اپنے حصار میں رکھتے ہیں کیوں کہ ایک لڑکی کی حرمت اس کی حیا اس کی عزت دنیا کی سب سے قیمتی چیز ہوتی ہے اور قیمتی چیزیں قلعوں کی دیواروں میں محصور رکھی جاتی ہیں۔ ان کی حفاظت کی جاتی ہے۔ یہ سب انٹرنیٹ' موبائل پر لڑکوں سے فرینڈشپس وغیرہ یہ سب تو حرمت کی دیوار میں دراڑ ڈالنے کی چیزیں ہیں۔ اسے بھٹکانے گمراہ کرنے کے اوزار۔۔۔" وہ بہت اچھے طریقے سے اسے سمجھا رہی تھی اور رانیہ بھی اس کی بات کو مکمل ارتکاز کے ساتھ سن رہی تھی۔

"بالکل ایسے جیسے راپنزل نے اپنے بالوں کو چور دروازہ بنا لیا تھا اسی طرح یہ سب فضولیات بھی ایک لڑکی کی زندگی میں چور دروازے کھول دیتی ہیں اور چور دروازے چاہے عاشقی معشوقی کے لیے کھولے جائیں یہ چور دروازے ہی رہتے ہیں۔۔۔ یہ بھٹکا دیتے ہیں۔۔۔ انسان کو گمراہ کردیتے ہیں۔ یہ سب فینٹسی صرف کہانیوں تک

اچھی لگتی ہے کہ ایک لڑکی سارے زمانے سے چھپ کر ایک لڑکے سے مل رہی تھی۔۔۔ تو وہ اس کے حق میں اچھا بھی ثابت ہوا تھا۔۔۔ حقیقت میں کبھی ایسا نہیں ہوتا۔ شہزادے چور دروازوں سے نہیں آیا کرتے رانیہ" نینا نے ساتھ ساتھ اس کا چہرہ بھی دیکھا تھا۔ وہ بے چاری چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ نینا نے اس کا ہاتھ سہلایا۔

"آپ گھبراؤ مت۔ بس اپنی پڑھائی پر توجہ دو۔ اوکے۔ اور فکر مت کرو۔ اس بندے کو میں سنبھال لوں گی۔" وہ نصیحت کرنے کے بعد تسلی بھی دے رہی تھی۔ رانیہ نے مشکور نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا تھا۔ وہ کچھ مطمئن نظر آنے لگی تھی۔ نینا کی آنکھوں میں لیپ ٹاپ کی اسکرین پر نظر آنے والے شخص کا چہرہ محفوظ ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"اولیگوڈینڈروگلیوما۔۔۔" رپورٹس اس کے ہاتھ میں تھیں اور ان پر سرخ مار کر سے یہ لکھا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ اس میں اتنی ہمت نہیں کہ وہ لفافہ کھول کر ایک دفعہ نظر ہی ڈال لیتا۔ لفافے کے اوپر مار کر سے یہی ایک لفظ لکھا تھا۔ سمیع کو وہ لفظ نہیں ایک بڑی سی چمگادڑ لگ رہی تھی جو سارے پر پھیلا کر اس کے چہرے کو اپنے حصار میں لے لینا چاہتی تھی۔ وہ میڈیکل کی ٹرمز کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اسے نہیں پتا تھا کہ یہ سب کیا ہے لیکن اس کی چھٹی حس چیخ رہی تھی اور چیختی ہی جا رہی تھی۔ وہ تھکے ہوئے وجود کو لے کر ڈاکٹر رضی کے کمرے کے باہر اپنی باری کا انتظار کر رہا تھا۔ شیریں کو ہوش آگیا تھا لیکن اسے بے حد نقاہت محسوس ہو رہی تھی۔ چند گھنٹوں میں ہی وہ برسوں کی بیمار لگنے لگی تھی شاید اسپتال کسی خون چوسنے والے عفریت کا نام تھا جو یہاں آجاتا تھا۔ ڈھے جاتا تھا۔ سمیع کو لگ رہا تھا وہ خود بھی بے حد بیمار ہے۔

ڈاکٹر رضی کے روم کے اوپر لگی کالنگ لائٹ جلنے بجھنے لگی تھی۔ اس کا نمبر لکھا نظر آنے لگا تھا۔ اندر موجود مریض باہر آگیا تھا۔ وہ اٹھا اور پھر من من بھاری قدموں کو گھسیٹتا ہوا دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ ڈاکٹر رضی اپنے کمپیوٹر پر مکمل ارتکاز کے ساتھ مصروف تھے۔ اسے دیکھ کر انہوں نے خوش آمدید کہنے والے انداز میں سر ہلایا۔

"آبیٹھے سمیع صاحب۔" ڈاکٹر رضی نے کہا تھا۔ ان کے چہرے پر کچھ ایسے رنگ تھے کہ سمیع کا دل مزید زور سے اچھلا تھا۔

"یہ رپورٹس آگئی ہیں۔۔۔ ان پر یہ لکھا ہے۔۔۔ اولیگو۔۔۔" وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ان کا چہرہ دیکھنے لگا۔ اسے اس لفظ کو ٹھیک سے ادا کرنا بھی نہیں آیا تھا۔

"جی۔۔۔ پورٹس میرے سامنے موجود ہیں۔۔۔ لیبز کے ریکارڈ کمپیوٹرز میں آجاتے ہیں۔"

"آپ نے دیکھ لی ہیں رپورٹس۔ سب ٹھیک ہے نا۔ کوئی پریشانی والی بات تو نہیں۔۔۔؟" وہ بے تابی سے پوچھ رہا تھا۔ ڈاکٹر رضی نے چند لمحے اس کی جانب دیکھنے کے بعد مانیٹر کی اسکرین کو دیکھا۔

"سمیع صاحب حوصلہ رکھیں۔ آپ کو بہت توانائی کی ضرورت ہے۔ آپ تو خود بیمار لگنے لگے ہیں مجھے۔ کھانا وغیرہ کھایا آپ نے۔ کوئی جوس وغیرہ بھیجے۔ منگواؤں آپ کے لیے؟" وہ مسکرائے بغیر اس سے پوچھ رہے تھے۔ سمیع نے بمشکل ہونٹوں کے کناروں کو پھیلایا لیکن وہ مسکرا نہیں پایا تھا۔ وہ کیسے مسکرا سکتا تھا۔ شیریں کو اس طرح اسپتال کے بستر پر پڑا دیکھ کر تو اس کے حلق سے پانی کا گھونٹ نہیں اتر رہا تھا۔

"سمیع صاحب۔۔۔ آپ نے پہلے کبھی اولیگو۔۔۔ کا نام سنا ہے؟" وہ اس سے پوچھ رہے تھے۔ سمیع نے نفی میں سر ہلایا۔

"کینسر۔۔۔؟" یہ لفظ ادا کرتے ہوئے ان کا انداز استفہامیہ تھا۔ یہ لفظ کس کو نہیں پتا تھا۔ سمیع کا بدن اپنی جگہ

سے نہیں اچھلا تھا لیکن روح نے تو قلابازی لگا ڈالی تھی۔ اسے لگا اس کے بدترین اندازوں کی تصدیق ہوئی ہے۔

"شہرین کو... یہ ہے... میرا مطلب... اولیگو ڈینڈ روگلیوما... کینسر ہے...؟" یہ سوال نہیں تھا۔ یہ ایک پکار تھی' ایک چیخ تھی۔

"آپ کے ساتھ کوئی اور ہے۔ میرا مطلب مریضہ کا کوئی اور رشتہ دار۔" وہ الٹا اس سے سوال پوچھ رہے تھے۔

"ڈاکٹر صاحب شہرین کو... کیا ہے...؟" اس کی ہمت نہیں ہوئی تھی کہ وہ یہ الفاظ دہراتا تھا۔ یہ کوئی فلم یا سیریل نہیں تھا کہ کوئی آرام سے یہ لفظ بول دیتا۔ اس کا اپنا دماغ لفظ "کینسر" پر جھنجھنا اٹھا تھا۔ اسے ایسا لگا جیسے اس نے جلتی ہوئی استری پر ہاتھ رکھ دیا ہے اور ابھی تک رکھا ہی ہوا ہے۔ ڈاکٹر رضی اس کی نفی کرتے تو ہاتھ جلتی گرم استری سے اٹھتا لیکن انہوں نے اگلا جملہ یوں کہ اس کے پارے وجود پر ابلتا ہوا پانی ڈال دیا تھا۔

"آئی ایم سوری سمیع صاحب۔ خبر واقعی کچھ اچھی نہیں ہے۔ آپ کی اہلیہ کو ٹیومر ہے... برین ٹیومر... 1 پوائنٹ 3 سینٹی میٹر کا... بظاہر سننے میں یہ چھوٹا سا ٹیومر لگتا ہے۔ لیکن آپ اسے گریڈ 2 کا کینسر سمجھ لیجیے۔"

سمیع کا صبر ختم ہوا تھا۔ نا چاہتے ہوئے بھی اس کی آنکھ سے پانی ٹپکا تھا۔ اس نے بائیں ہاتھ سے آنکھوں کو صاف کیا اور کوشش کی کہ وہ اس طرح بے قابو نا ہو لیکن اس کی کوشش ناکام رہی تھی۔ اس کے لیے قیامت کا سماں ایک لمحہ پہلے ہی شروع ہوا تھا۔ اسے اب صور کی آواز بھی اس طرح نہیں ہلا سکتی تھیں جس طرح ڈاکٹر رضی کی آوز نے اسے ہلا ڈالا تھا۔ اس نے میز کی سطح پر سر رکھا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"سمیع صاحب سنبھالیے خود کو پلیز..." ڈاکٹر رضی نے میکینیکل سے انداز میں کہا۔ وہ شہر کے بہترین نیورو سرجن تھے اور اس کے پاس اکثر ہی مریضوں کو دینے کے لیے اچھی خبریں نہیں ہوا کرتی تھیں۔ انہیں اب لاچار آنسوؤں کو سہنے کی عادت سی ہو گئی تھی لیکن اس کا مطلب یہ نہیں تھا کہ انہیں دکھ بھی نہیں ہوتا تھا۔ سمیع کے آنسو یقیناً" ان کے دل کو بھی بوجھل کر رہے تھے۔ سمیع نے ان کی تسلی کے جواب میں سر اٹھا کر نہیں دیکھا تھا۔ یہ صرف اس کا دل جانتا تھا کہ لفظ "کینسر" بظاہر پانچ حرفوں کا مجموعہ تھا لیکن جب یہ آپ کے کسی پیارے کو تشخیص ہوتا تھا تو یہ ایک میزائل بن جاتا تھا۔ ڈاکٹر رضی کے ایک جملے نے کسی میزائل کی طرح اسے اڑا کر بھسم کر ڈالا تھا۔

☆ ☆ ☆

"بی بی جان کو تو رخشی ذرا پسند نہیں آئی۔" رات کو کاشف کے بازو پر سر رکھے صوفیہ نے لاڈ بھرے لہجے میں بات شروع کی۔ اس کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔ کاشف کا دھیان ٹی وی کی جانب تھا لیکن پھر بھی اس نے صوفیہ کا مکمل جملہ سنا تھا۔

"اس میں اچھا لگنے والا کچھ تھا بھی تو نہیں... میڈم بانوری" کاشف نے اس سے بڑھ کر مذاق اڑایا اور ناک بھی چڑھائی۔ صوفیہ نے قہقہہ لگایا۔ یہ نہ جانے زنانہ فطرت کی کونسی حس ہے کہ جب آپ کا مرد آپ کے سامنے کسی دوسری عورت کو اس طرح تضحیک کرے تو آپ کو لطف آئے۔ صوفیہ کو گدگدی ہوئی۔

"اس میڈم بانوری میں کچھ تو ایسا ہو گا نا جو وہ آپ کے قریبی احباب میں شامل ہے۔" وہ ٹوہ لیتے ہوئے ذرا سا اتر کر بولی۔

"اوہ یار... بزنس کے بڑے جھمیلے ہیں... پتا نہیں کیسے کیسے لوگوں کو منہ لگانا پڑتا ہے۔ خوشامد کرنی پڑتی ہیں۔ اور آؤ بھگت بھی۔" کاشف بے زار کن ترین لہجے میں بولا پھر صوفیہ کے اگلے سوال کا انتظار کیے بغیر کہنے لگا۔

"اوہو... تمہارے ذہن میں کیا چل رہا ہے۔ کہیں پھر شک کا کیڑا وہ بھی کئی سو ٹانگوں والا تو نہیں گھس گیا دماغ

میں ...؟" وہ شرارتی انداز میں پوچھ رہا تھا۔ صوفیہ نے ہنستے ہوئے نفی میں گردن ہلائی۔
"نہیں ... نہیں ... میں تو نہیں ..." وہ کچھ کہنا چاہ رہی تھی لیکن کاشف نے اس کی بات کاٹ دی۔
"خدا کو مانو یار۔ میرے لیے وہ رخشی ہی رہ گئی ہے۔ دنیا میں خوب صورت عورتیں مرگئی ہیں کیا یا میری جمالیاتی حس مرگئی ہے۔" وہ اسے چڑا رہا تھا۔ صوفیہ کو اب کی بار اس کے جملے نے پہلے سے بھی زیادہ لطف دیا۔
"میں کچھ نہیں کہہ رہی۔ دراصل بی بی جان کو ہی آپ کی فطرت کا علم ہے۔ سمجھا رہی تھیں مجھے کہ کاشف کو بچا کر رکھو اس عورت سے۔" صوفیہ نے مزا لیتے ہوئے اسے بتایا۔ کاشف نے ناگواری سے سر ہلایا۔
"بیوی تو بیوی۔ میری ماں بھی نہ جانے میرے بارے میں کیا کیا سوچتی رہتی ہیں۔ اتنا وہمی بھی نا ہو' اب انسان۔" وہ زچ ہو کر بولا۔
"کیوں نا ہوں بھئی۔ ہمیں ہونا پڑتا ہے۔ خوب صورت آدمی کی بیوی اور ماں کو تو بہت زیادہ وہمی اور محتاط ہونا پڑتا ہے ورنہ یہ جنبیہ اور رخشی ٹائپ عورتیں تو آپ جیسوں کو ورغلا کر نجانے کہاں تک لے جائیں۔" صوفیہ صاف گوئی سے بولی تھی۔
"کیا ہو گیا ہے صوفیہ۔ رحم کرو مجھ پر۔ رخشی کو تو میں کبھی نظر بھر کر بھی نہیں دیکھتا۔ وہ دیکھنے کے قابل ہے بھلا۔ میرا اس کے ساتھ صرف کاروباری ربط ہے۔ گھر بلانے کا مقصد بھی ان روابط کو بڑھانا تھا۔ تم لوگوں کو کچھ نہیں پتا ان کاروباری تعلقات کا۔ یہ رخشی بہت کام کی عورت ہے۔ اس کے دور دور تک تعلقات ہیں۔ گورنر ہاؤس اور اس کے متعلقہ ذیلی دفاتر میں اگلے مہینے سے پنکھے اور اسپلٹ یونٹ لگنے ہیں۔ سنا ہے سب کچھ تبدیل کروانا ہے۔ اتنا بڑا تو گورنر ہاؤس ہے اور پھر کئی آفس ہیں۔ سنا ہے ایک ایک آفس میں تین تین یونٹ لگیں گے۔ پنکھے بھی تبدیل ہوں گے۔ اور بھی چھوٹے بڑے کئی کام ہوں گے۔ میں چاہتا ہوں یہ کانٹریکٹ مجھے مل جائے۔ وارے نیارے ہو جائیں گے۔ اس لیے میں رخشی سے ذرا بنا کر رکھنا چاہتا ہوں۔ تم دعا کرو جیسا میں سوچ رہا ہوں ویسا ہی ہو جائے۔ سرکاری کام کے اپنے ہی مزے ہوتے ہیں۔" کاشف نے جملہ مکمل کیا تو صوفیہ نے پھر سر ہلایا۔
"مجھے پتا ہے آپ بہت محنت کرنے والے انسان ہیں اور آپ کے لیے تو ہمہ وقت دعا کرتی ہوں۔" وہ اس کے کندھے پر اپنا سر گرا کر بولی تھی۔ کاشف مسکرایا۔
"بہت شکریہ میری جان اور اب کسی شک کو دل میں مت پالنا۔ میری کیا مت ماری گئی ہے جو رخشی جیسی عورت میں دلچسپی لوں۔ میری تو اپنی بیوی لاکھوں میں ایک ہے۔ اس جیسی تو میں چراغ کیا' لالٹین لے کر بھی ڈھونڈنے نکلوں تو نا ملے۔ مجھے کیا دلچسپی کسی دوسری عورت میں۔" وہ اس کے گرد اپنی بازو کا حلقہ سخت کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ صوفیہ نہال ہی ہو گئی۔ اسے پتا تھا وہ لاکھوں میں ایک نہیں ہے لیکن محبت میں ریاضی کے اصول تھوڑی چلتے ہیں کہ ثابت ہوں گے تو تسلیم کیے جائیں گے۔ یہ تو مذہب کی طرح بس ایمان لانے کی بات تھی۔ صوفیہ دل و جان سے کاشف کی محبت پر ایمان لا چکی تھی۔ اسے یقین آگیا تھا کہ جب کاشف اسے لاکھوں میں ایک کہہ رہا ہے تو بس وہ لاکھوں میں ایک ہی ہے۔ طمانیت کی لہر اس کے پورے وجود میں اتری اور اس کی آنکھوں میں گردن کر چھانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا پکایا ہے ...؟" اس نے باؤل کی جانب دیکھ کر ناک چڑھایا تھا۔
"دال ہے ... مونگ مسور۔" زری ٹرے رکھ کر پانی لینے کچن کی جانب جا رہی تھی۔ اسے جواب دے کر آگے بڑھ گئی۔

"اتنی پتلی دال۔۔۔" نمنانے باؤل میں چمچہ چلایا تھا۔
"ہاں یہ ڈائٹنگ کررہی ہے۔" زری مسکرائی تھی۔ امی پھر اسپتال چلی گئی تھیں تو دوپہر کا کھانا زری نے بنایا تھا۔
"یہ ڈائٹنگ کررہی ہے یا تم ڈائٹنگ کررہی ہو۔" نمنا ابھی بھی باؤل میں چمچہ چلارہی تھی۔
"میں بھی کہاں کررہی ہیں۔ بلکہ آج تو امی نے سختی سے منع کیا ہے۔ نوشی باجی کی وجہ سے پریشان تھیں۔ اور ملبہ سارا اس بات پر گرا کہ لڑکیاں اپنی غذا کا خیال نہیں رکھتیں جس کی وجہ سے انہیں بعد میں مسئلے ہوتے ہیں۔" زری نے اچار اور چپاتیوں والی ٹرے بھی میز پر رکھی تھی۔
"نوشی باجی کی تو مجھے بھی بہت ہی ٹینشن ہے۔ اللہ انہیں جلدی جلدی ٹھیک کردے بس۔" نمنانے پلیٹ میں دال نکالتے ہوئے کہا تھا۔
"زری ہم کھانا کھالیں تو تم ابا سے فون کرکے کہو نا ہمیں اسپتال لے چلیں۔ میں نوشی باجی کو دیکھنا چاہتی ہوں۔" وہ اس سے درخواست کررہی تھی۔
"میں نے امی سے کہا تھا کہ ہم آجائیں اسپتال تو امی نے کہا کل آجانا۔ کل سرجری کی ڈیٹ دی ہے ڈاکٹر نے۔۔۔ بے بی دیکھنے چلیں گے ان کا۔" زری پرجوش تھی۔
"کل بھی چلے جائیں گے بے بی دیکھنے۔۔۔ لیکن آج نوشی باجی کو تو دیکھ آئیں۔ پتا نہیں کیوں میرا بہت دل چاہ رہا ہے۔" نمنانے لجاجت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ زری نے سرہلایا۔
"اچھا کھانا کھالیں۔ پھر فون کرتی ہوں ابا کو۔" اس کا اصرار دیکھ کر زری نے بھی ہامی بھرلی تھی۔ کھانا وغیرہ کھاکر اس نے ابا کو کال کرکے پوچھا تو انہوں نے بھی مثبت جواب دے دیا کہ تم لوگوں کو ملواتا ہوں اور تمہاری امی کو بھی لے آئیں گے۔
"ابا اتنے اچھے ہیں۔ ہماری ساری باتیں ہی مان لیتے ہیں۔" زری کو بڑی خوشی ہوئی کہ اس کے ایک بار کہنے سے ابا نے اس کی بات کا مان رکھ لیا۔ نمنانے گہری سانس بھری۔
"میں نے کب کہا کہ اچھے نہیں ہیں۔ اور تمہاری باتیں تو ابا امی سب ہی مان لیتے ہیں۔" وہ سادہ سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ زری باتھ روم میں گھس گئی۔ کپڑے بدل کر اس نے اطمینان سے کاجل اور لائنر لگایا۔ لپ پنسل سے ہونٹوں کی شیپ بنائی اور گلوز لگا کر حتی الامکان نیچرل لک دینے کی کوشش کی تھی۔
"تم خوب صورت ہو۔ اور خوب صورت ہی رہوگی بہن۔ اب چل پڑو" نمنانے منہ بھی نہیں دھویا۔ بس بال ٹھیک کیے اور دوپٹا اوڑھ کر دیوان پر بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی تھی جبکہ وہ کمرے سے نکل ہی نہیں رہی تھی۔ اسی لیے نمنانے اکتا کر کہا تھا۔ وہ پھر بھی نہیں نکلی۔ نمنا اپنی جگہ سے اٹھی تھی اور کمرے میں اسے دیکھنے کی غرض سے داخل ہوئی تھی۔ زری پر نظر پڑتے ہی ناگواری اس کے چہرے پر پھیل گئی' زری نے ہاتھ میں موبائل پکڑ رکھا تھا اور وہ اپنی تصاویر بنانے میں مگن تھی۔
"ہم مریض کی عیادت کے لیے جارہے ہیں۔ سیاحت کے لیے نہیں جارہے زری۔" اس نے منہ بنا کر ٹوکا تھا۔ خجالت بھری مسکراہٹ زری کے چہرے پر چمکی۔ اس کے باوجود وہ رکی نہیں تھی۔ اس نے دو تین مزید کلک کیے تھے۔
"کتنی سیلفیاں لیتی رہتی ہو تم۔ کیا ملتا ہے ان سے" زری ہنسی۔
"مجھے اچھا لگتا ہے بس۔" زری اتنا ہی کہہ سکی۔

"اس میں اچھا لگنے والی بات کیا ہے۔ میں تو یہ سمجھ نہیں سکی آج تک۔ کسی کو بھیجتی ہو لینے کے بعد۔؟" نینا نے عام سے انداز میں پوچھا اور ایک دم اس کے چہرے پر نظریں گاڑیں۔ زری کے چہرے کا رنگ بدلا تھا۔ چند سیکنڈ زوہ چپ ہی رہی۔

"ہاں بلاول بھٹو کو بھیجتی ہوں۔ بڑی فرمائشیں کرتا ہے کہ زری پلیز کبھی تو سیلفی بھیج دیا کرو۔" وہ اس کی بات کو مذاق میں اڑا کر بولی تھی۔ نینا چند لمحے اس کی جانب دیکھتی رہی جبکہ زری لاتعلق سی ہو کر جوتے کے اسٹریپ باندھنے لگی تھی۔

"آئے ہائے نینا۔ تم نے تو میرا دل ہی توڑ دیا۔ میں کس کو بھیجوں گی یار۔ میری ایسی قسمت کہاں کہ کوئی مجھے سیلفی بھیجنے کو بولے۔ پتا نہیں کب میری منگنی ہوگی۔ کب میرا منگیتر ہوگا۔ کب میں بھی سب کے سامنے اس کی باتیں کر کے شیخیاں بگھاروں گی۔ اسے اپنی حسین حسین سیلفیاں بھیجوں گی۔ یار تم کہو نا امی کو کہ اب زری کے لیے کوئی رشتہ ڈھونڈیں۔" وہ شرارتی انداز میں کہہ رہی تھی۔

"ہاں کہوں گی امی سلیم سے رشتہ کردیں زری کا۔" نینا کا دل ہی جانتا تھا کہ زری کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے اس نے یہ جملہ کیسے بولا۔ توقع کے عین مطابق زری کے چہرے پر ناپسندیدگی اور ناگواری کے رنگ چمکنے لگیں۔

"اونہہ۔ اور کیا پتا امی تمہارا رشتہ سلیم سے کرنے کا سوچ رہی ہوں۔" زری بے ساختگی میں یہ کہہ گئی۔

"کیا آآآ۔ سلیم سے میرا رشتہ۔ یہ ممکن نہیں ہے۔ امی کبھی ایسا سوچ بھی نہیں سکتیں۔" وہ دونوں کمرے سے ایک ساتھ باہر نکلی تھیں۔ زری نے کچھ کہنا چاہا اسے بتانا چاہا کہ ابا تو یہ بات سوچ رہے ہیں پھر ارادہ ترک کردیا۔ نینا کا کوئی بھروسا تھوڑی تھا کہ ابھی منہ بنا کر مزاج بگاڑ کر بیٹھ جاتی۔ زری کے دل یہ کھدبد ضرور مچی تھی کہ آخر امی اور نینا دونوں اس بات کو ناممکنات میں سے کیوں قرار دے دیتی ہیں جبکہ ابا اس نہج پر سوچ رہے تھے۔ وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں اترنے لگی تھی۔ اسی دوران اس کے موبائل کی رنگ بجی تھی۔ اس نے دیکھا۔ امی کال کررہی تھیں۔ اس نے فون کان سے لگایا۔ "جی امی بس نکل رہے ہیں ہم۔ ابا آگئے ہیں۔"

"پوچھو نوشی باجی کیسی ہیں اب۔" نینا نے لفظ "امی" سن کر مڑ کے اسے کہا تھا۔

"کیا آ۔ اچھا۔ سب ٹھیک ہے نا۔ میرا مطلب خطرے والی بات تو نہیں۔" زری نے فون پر پوچھا تھا۔ نینا کے چہرے کا رنگ بھی بدلا۔ وہ بھی دو اسٹیپ چڑھ کر دوبارہ اس تک آئی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ اللہ خیر کرے۔ ہم دعا کرتے ہیں۔ آپ ہمیں بتائیے گا پھر۔" اس نے جملہ ادھورا چھوڑا تھا۔

"کیا ہوا ہے۔ سب ٹھیک ہے نا؟" نینا کا دل لرزنے لگا تھا۔

"امی کہہ رہی ہیں۔ نوشی باجی کو ابھی سرجری کے لیے لے جا رہے ہیں۔ ان کو سانس نہیں ٹھیک سے آرہا تھا۔ ایمرجنسی میں لے گئے ہیں دوبارہ۔" زری بھی پریشان تھی لیکن نینا کے تو ہاتھ پاؤں ہی پھول گئے۔ وہ وہیں اسٹیپ پر ہی بیٹھ گئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ)

☼ ☼

سرورق کی شخصیت

ماڈل ------- دیا شاہ
میک اپ ------- روز بیوٹی پارلر
فوٹوگرافی ------- موسیٰ رضا